Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

•جلد 14 •شمارہ 3 • اکتوبر 2024

ماہنامہ

فہمِ دین

ارضِ مقدس، نبیوں کا وطن

حرمتِ مسلم

صراطِ مستقیم

رونقِ زیست

تربیتِ اولاد

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگناسٹک سینٹر

BAITUSSALAM

اپنی نوعیت کی منفرد اور معیاری لیبارٹری

- او پی ڈی
- ایکسرے
- الٹرا ساؤنڈ

اور تمام اقسام کے تشخیصی ٹیسٹ دستیاب ہیں

- ہیماٹولوجی
- کیمیکل پیتھالوجی
- مائکروبایولوجی
- مالیکیولر پیتھالوجی/پی سی آر
- امیونولوجی اور سیرولوجی

مناسب قیمتوں میں

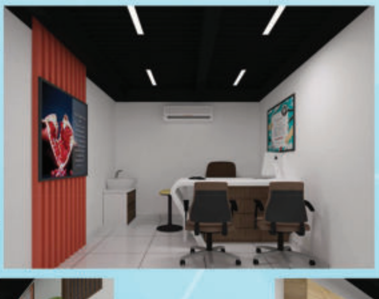

مستحقین زکوۃ کیلئے مفت ٹیسٹ کی سہولت

خدمت، عزت اور احترام کے ساتھ

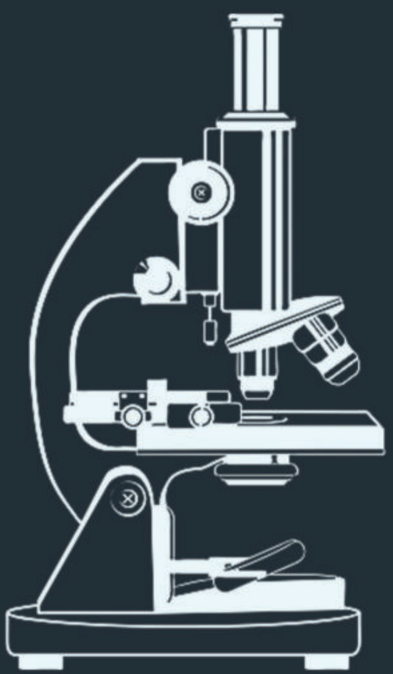

برائے رابطہ

+92 21 35392634

+92 334 2982988

lab@baitussalam.org

شوروم نمبر 01، گراؤنڈ فلور، رائل ٹاورز
مین کورنگی روڈ، نزد قیوم آباد چورنگی
PSO پمپ سے متصل کراچی۔

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

اکتوبر 2024

فہم وفکر

صراطِ مستقیم	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

تربیتِ اولاد: مشورے اور تجاویز	قاری عبد الرحمن	10
ارضِ مقدس	نادیہ حسن	11
قبلہ اول کی پکار	حفصہ فیصل	12
سیب	حکیم شمیم احمد	14
مسائل پوچھیے اور سیکھیے	مفتی محمد توحید	15
تعلیم کا معیار اور اصلاحات	حفصہ سلطان	16
امید پہ دنیا قائم ہے	رومان فاطمہ	18
مثالی صبر والی صحابیہ	ندا اختر	19
تحفہ حیات	میمونہ عظیم	19

خواتینِ اسلام

بلاعنوان	صبا ایشل	20
رونقِ زیست	لائبہ عبد الستار	23
راہِ اعتدال	تنزیلہ یوسف	24
ضیوف الرحمن	عائشہ محبوب	27
ہار یا جیت	شمائلہ شکیل	28
طلاق کی بڑھتی شرح	بنت حافظ یاسین	29
آلو گشت	یاسر فاروق	29
ہم اور ہمارا موبائل	انیسہ عائش	30
ہم پہ قرآن کا حق	ام محمد عبد اللہ	31
اپنائیت	نجم النسا ملک	32

باغچہ اطفال

جیت کی خوشی	مہوش اسد شیخ	34
عیار مگرمچھ	مہوش اشرف	35
آتشِ نمرود	ڈاکٹر الماس روحی	36
فری بنی نادان	فاکہہ قمر	37
حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ	بنت تاجور	38
سازش	سمیرا انور	39
خرگوش کچھوے کی کہانی	بنت مسعود	39

بزمِ ادب

رضی اللہ تعالیٰ عنہم	حافظہ وسطی چودھری	42
رُتوں کی طرح رخ بدلتا بہت ہے	شمائلہ شکیل	43
گلدستہ	شیخ ابوبکر عبد الرحمن چترالی	48

اخبار السلام

اخبار السلام	ادارہ	50

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر: قاری عبد الرحمن

نظرِ ثانی: طارق محمود

تزئین و آرائش: فیضان الحق شمسی

آراء و تجاویز کے لیے

+92 335 1135011

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@fahmedeen.org

C-26 گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹرز | مقامِ اشاعت: دفتر فہمِ دین

مدیر کے قلم سے

صراطِ مستقیم

یوں تو اولاد، مال اور دنیا کی زندگی یہ سب فتنے ہی ہیں اور جو شخص بھی ان چیزوں کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے، وہ کسی نہ کسی درجے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے، حق اختیار کرنے اور حق کا ساتھ دینے میں کوتاہی اور غفلت ضرور کرتا ہے، پھر جس درجے میں محبت اور مشغولیت ہوگی، اسی درجے میں دین سے دوری اس کا عمل بنتی ہے، البتہ یہ بات بھی ہے کہ مال اور اولاد کے فتنے میں مبتلا شخص انھیں فتنہ کہتا اور مانتا ہے اور کسی نہ کسی درجے میں ان سے بچنے کی کوشش بھی کرتا ہے، لیکن اِس دور میں امتِ مسلمہ کو جن عجیب وغریب فتنوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس میں مذہب کا لبادہ اوڑھے فتنوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ ہر کچھ عرصے کے بعد کوئی شخص یا جماعت ایسی سامنے آتی ہے جو یا تو پہلے فتنوں کا چربہ ہوتی ہے یا اس نے کوئی نئی راہ یا طریقہ ایجاد کیا ہوتا ہے، بہ ظاہر ان سب کی شکل وصورت اور حلیہ علمائے امت جیسا ہی ہوتا ہے، قرآن وحدیث کو نہ صرف ماننے کا دعوی کرتے ہیں بلکہ اپنے بیانات اور خطبات میں قرآنی آیات اور احادیث پڑھتے اور ان کی تعلیم دیتے ہیں، بہ ظاہر وہ کسی تفریق اور فرقہ پرستی کا نہ صرف دعوی نہیں کرتے بلکہ فرقہ پرستی کے نقصانات بتاتے ہیں، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور سے آج تک امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصّلوۃ والتسلیم کا جن معاملات میں اجماع چلا آ رہا ہے، ان میں سے کسی ایک یا چند مسائل میں اجتہاد اور جدیدیت کے نام پر ایسی نقب زنی کرتے ہیں کہ عام مسلمان تو کیا اچھے خاصے پڑھے لکھے دین پر عمل پیرا مسلمان بلکہ رسمی تعلیم سے فارغ ہونے والے حضرات بھی ان فتنوں کے چنگل میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ ایسے میں ہمارے لیے لازم ہے کہ نماز میں جو دعا ہم اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے الفاظ میں کرتے ہیں، اس کو حرزِ جان بنالیں۔ رات کی تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اللہ فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے، نیز علمائے حق کے ساتھ وابستہ رہیں، الحمد للہ! تمام بڑے مدارس اور علمائے کرام ان فتنوں کی بروقت نہ صرف نشان دہی کرتے ہیں بلکہ ان کی خود ساختہ تفہیم کارد بھی کرتے ہیں۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعا مانگنے کے ساتھ ساتھ جید علمائے کرام کے ساتھ وابستہ رہ کر ہی ان فتنوں سے بچا جا سکتا ہے۔ ہر جمعے کو پوری سورہ کہف اور روزانہ اس کی ابتدائی دس آیات پڑھنے کا عمل بھی ان فتنوں سے حفاظت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انبیائے کرام علیہم السّلام کے وارث علمائے کرام کے ساتھ وابستہ رکھے اور ہر قسم کے فتنے سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین!

اہلِ فلسطین کا عمل مشعلِ راہ

اہلِ فلسطین گزشتہ پون صدی سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا، صیہونیت سے نبرد آزما ہیں، لیکن اکتوبر 2023 سے جس نئی جدوجہد کا آغاز ہوا، ایک سال مکمل ہونے، ہزارہا شہدا کے جنازے اٹھانے، ہزاروں زخمی ہونے، بھوک وپیاس برداشت کرنے، تاریخ کی بدترین بمباری اور اس کے نتیجے میں بستیوں کی بستیاں زمین بوس ہونے کے باوجود مجاہدین کا عزم تازہ ہے اور وہ کسی لچک کا مظاہرہ نہیں کر رہے۔ دنیا بھر کے عوام چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم اس ظلم کے خلاف مسلسل احتجاج کر رہے ہیں، جب کہ مسلم ممالک کی حکومتیں صرف رسمی بیان بازی اور رسمی امداد کے وعدوں سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ اسرائیل کے سرپرست ممالک نے اپنا وتیرہ تبدیل نہیں کیا، جنگ بندی کی رسمی اپیلیں بھی کر رہے ہیں اور اسرائیل کو اسلحے کی سپلائی بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ معاملہ مسلم ممالک چاہیں تو چند دنوں میں حل ہو سکتا ہے، لیکن دنیا وتخت سے محبت اور موت کے خوف نے ان حکمرانوں کو اس راستے پر چلنے سے روک رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت سے اہلِ فلسطین جس جذبے اور ہمت سے جہاد جاری رکھے ہوئے ہیں، وہ قابلِ تحسین ہی نہیں مشعلِ راہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ پوری امتِ مسلمہ کو صحیح سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور اہلِ فلسطین کی حمایت ومدد کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

عقیدۂ ختم نبوت کا تقاضا

ہفتہ ۷ ستمبر کو مینارِ پاکستان پر عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس ہوئی۔ ملک بھر سے قافلوں کی شکل میں ختم نبوت کے پروانے جوق در جوق شریک ہوئے۔ اتنا بڑا جلسہ جس عقیدے اور عقیدت کی بنیاد پر ہوا، اس کا تقاضا ہے کہ یہ ایک جلسے اور کانفرنس تک محدود نہ رہے بلکہ ہر مسلمان اپنی سعادت سمجھ کر دامے درمے سخنے تن من دھن سے علماءِ کرام کی سرپرستی میں تحفظِ ختم نبوت کے کام کو زندگی کا حصہ بنالے اور سب سے بنیادی چیز اتّباعِ سنت ہے، جس سے مشکل آسان اور ہر کام سہل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

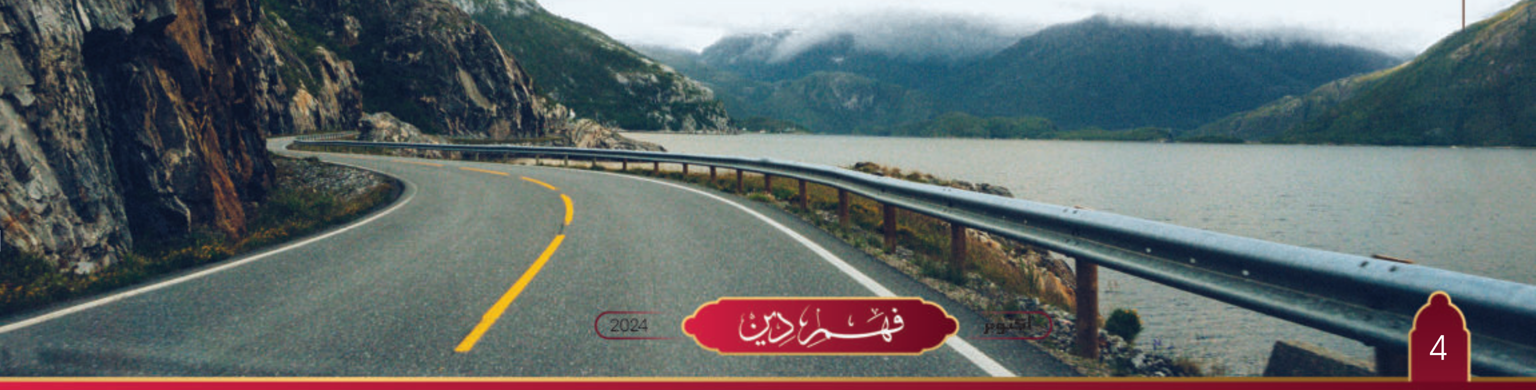

فہمِ قرآن

الانعام 9-19

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ 9

ترجمہ: اور اگر ہم فرشتے ہی کو پیغمبر بناتے، تب بھی اسے کسی مرد ہی (کی شکل میں) بناتے اور ان کو پھر ہم اسی شبہے میں ڈال دیتے، جس میں اب مبتلا ہیں۔ 9

تشریح نمبر 1: یعنی اگر کسی فرشتے ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجتے یا پیغمبر کی تصدیق کے لیے لوگوں کے سامنے بھیجتے، تب بھی اس کو انسانی شکل ہی میں بھیجنا پڑتا، کیوں کہ کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی فرشتے کو دیکھ سکے۔ اس صورت میں پھر یہ کافر لوگ وہی اعتراض دُہراتے کہ یہ تو ہم جیسا ہی آدمی ہے، اس کو ہم پیغمبر کیسے مان لیں؟

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ 10

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اُڑایا گیا ہے، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے جن لوگوں نے مذاق اُڑایا تھا، ان کو اسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ 10

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ 11

ترجمہ: (ان کافروں سے) کہو کہ "ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ (پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ 11

تشریح نمبر 2: مشرکینِ عرب شام کے تجارتی سفر کے دوران ثمود اور حضرت لوط علیہ السّلام کی قوم کی بستیوں سے گذرا کرتے تھے، جہاں ان قوموں کی تباہی کے آثار انھیں آنکھوں سے نظر آتے تھے۔ قرآنِ کریم انھیں دعوت دے رہا ہے کہ وہ ان قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ 12

ترجمہ: (ان سے) پوچھو کہ "آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ کس کی ملکیت ہے؟ (پھر اگر وہ جواب نہ دیں تو خود ہی) کہہ دو کہ "اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔ (اس لیے توبہ کر لو تو پچھلے سارے گناہ معاف کر دے گا، ورنہ) وہ تم سب کو ضرور بالضرور قیامت کے دن جمع کرے گا، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے، (لیکن) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لیے گھاٹے کا سودا کر رکھا ہے، وہ (اس حقیقت پر) ایمان نہیں لاتے۔ 12

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ 13

ترجمہ: اور رات اور دن میں جتنی مخلوقات آرام پاتی ہیں، سب اس کے قبضے میں ہیں اور وہ ہر بات کو سنتا، ہر چیز کو جانتا ہے۔ 13

تشریح نمبر 3: غالبًا اشارہ اس طرف ہے کہ رات اور دن کے اوقات میں جب لوگ سوتے ہیں تو دوبارہ بیدار بھی ہو جاتے ہیں، حالاں کہ نیند بھی ایک چھوٹی موت ہے، جس میں انسان دنیا سے بے خبر اور بالکل بے اختیار ہو جاتا ہے، لیکن چوں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہوتا ہے، اس لیے جب وہ چاہتا ہے اسے بیداری کی دنیا میں واپس لے آتا ہے۔ اسی طرح جب بڑی موت آئے گی، تب بھی انسان اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہوگا اور وہ جب چاہے گا، اسے دوبارہ زندگی دے کر قیامت کے یومِ حساب کی طرف لے جائے گا۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ
اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ 14

ترجمہ: کہہ دو کہ "کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رکھوالا بناؤں؟ (اُس اللہ کو چھوڑ کر) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جو سب کو کھلاتا ہے، کسی سے کھاتا نہیں؟" کہہ دو کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ فرماں برداری میں سب لوگوں سے پہل کرنے والا میں بنوں اور تم مشرکوں میں ہرگز شامل نہ ہونا۔ 14

قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ 15

ترجمہ: کہہ دو کہ "اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا خوف ہے۔" 15

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ 16

ترجمہ: جس کسی شخص سے اس دن وہ عذاب ہٹا دیا گیا، اس پر اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہی واضح کامیابی ہے۔ 16

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ 17

ترجمہ: اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو خود اس کے سوا اسے دور کرنے والا کوئی نہیں اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہی ہے۔ 17

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ 18

ترجمہ: اور وہ اپنے بندوں کے اوپر مکمل اقتدار رکھتا ہے اور وہ حکیم بھی ہے، پوری طرح باخبر بھی۔ 18

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ
اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ
مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ
بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ 19

ترجمہ: کہو "کون سی چیز ایسی ہے جو (کسی بات کی) گواہی دینے کے لیے سب سے اعلیٰ درجے کی ہو؟" کہو "اللہ! (اور وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور مجھ پر یہ قرآن وحی کے طور پر اس لیے نازل کیا گیا ہے، تاکہ اس کے ذریعے میں تمہیں بھی ڈراؤں اور ان سب کو بھی جنھیں یہ قرآن پہنچے۔ کیا سچ مچ تم یہ گواہی دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟" کہہ دو کہ "میں تو ایسی گواہی نہیں دوں گا۔" کہہ دو کہ "وہ تو صرف ایک خدا ہے اور جن جن چیزوں کو تم اس کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سب سے بیزار ہوں۔" 19

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

فہم حدیث

نماز کی عظمت واہمیت اور اس کا امتیاز

حضرات انبیا علیہم السّلام، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کمالات واحسانات اور اس کی تقدیس وتوحید کے بارے میں جو کچھ بتلاتے ہیں، اس کو مان لینے اور اس پر ایمان لے آنے کا پہلا قدرتی اور بالکل فطری تقاضا یہ ہے کہ انسان اس کے حضور میں اپنی فدویت و بندگی، محبت و شیفتگی اور محتاجی ودریوزہ گری کا اظہار کر کے اس کا قرب اور اس کی رحمت ورضا حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کی یاد سے اپنے قلب وروح کے لیے نور اور سرور کا سرمایہ حاصل کرے۔ نماز کا اصل موضوع دراصل یہی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نماز اس مقصد کے حصول کا بہترین وسیلہ ہے۔ اس لیے ہر نبی کی تعلیم میں اور ہر آسمانی شریعت میں ایمان کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا رہا ہے اور اسی لیے اللہ کی نازل کی ہوئی آخری شریعت (شریعتِ محمدی ﷺ) میں نماز کے شرائط وارکان اور سنن وآداب اور اسی طرح کے مفسدات ومکروہات وغیرہ کے بیان کا اتنا اہتمام کیا گیا ہے اور اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے، جو اس کے علاوہ کسی دوسری طاعت وعبادت کو بھی نہیں دی گئی۔

نماز پنجگانہ کی فرضیت اور ان پر وعدۂ مغفرت

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَمسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالیٰ مَنْ أَحسَنَ وُضُوءَهُنَّ وَ صَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَآتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں، جس نے ان کے لیے اچھی طرح وضو کیا اور ٹھیک وقت پر ان کو پڑھا اور رکوع وسجود بھی جیسے کرنے چاہییں ویسے ہی کیے اور خشوع کی صفت کے ساتھ ان کو ادا کیا تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کو بخش دے گا اور جس نے ایسا نہیں کیا اور نماز کے بارے میں اس نے کوتاہی کی تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے، چاہے گا تو اس کو بخش دے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

افسوس! کیسی بدبختی ہے

نماز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ان ترغیبی اور ترہیبی ارشادات کے باوجود امت کی بڑی تعداد آج نماز سے غافل اور بے پروا ہو کر اپنے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے الطاف وعنایات سے محروم اور اپنی دنیا و آخرت کو برباد کر رہی ہے۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

نماز محبوب ترین عمل

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ: اَيُّ الْأَعْمَالِ اَحبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ: الصَّلوٰةُ لِوَقْتِهَا، قُلْتُ: ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: بِرُّ الْوَالِدَيْنِ، قُلْتُ: ثُمَّ اَيُّ؟ قَالَ: اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ "دینی اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ٹھیک وقت پر نماز پڑھنا۔" پھر میں نے عرض کیا کہ "اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ماں باپ کی خدمت کرنا۔" میں نے عرض کیا: "اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "راہِ خدا میں جہاد کرنا۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے والدین کی خدمت و جہاد سے افضل اور محبوب ترین نماز کو بتلایا ہے اور بالاشبہ نماز کا مقام یہی ہے۔

نماز ترک کرنا ایمان کے منافی اور کافرانہ عمل ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلوٰة (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "بندہ کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔" (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نماز دینِ اسلام کا ایسا شعار ہے اور حقیقتِ ایمان سے اس کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ اس کو چھوڑ دینے کے بعد آدمی گویا کفر کی سرحد میں پہنچ جاتا ہے۔

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ تَرْكُ الصَّلوٰةِ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ (رواہ احمد والترمذي والنسائي و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اسلام قبول کرنے والے عام لوگوں کے درمیان نماز کا عہد ومیثاق ہے، (یعنی ہر اسلام لانے والے سے ہم نماز کا عہد لیتے ہیں جو ایمان کی خاص نشانی اور اسلام کا شعار ہے) پس جو کوئی نماز چھوڑ دے تو گویا اس نے اسلام کی راہ چھوڑ کے کافرانہ طریقہ اختیار کر لیا۔

نماز پر جنت اور مغفرت کا وعدہ

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهُ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان بندہ اچھی طرح وضو کرے، پھر اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر پوری قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے تو جنّت اس کے لیے ضرور واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

Fruiti-O
NECTARS & FRUIT DRINKS
Real Taste of Nature
Peach Fruit Drink
Contains Peach Fruit Pulp
Pomegranate Nectar
Contains Pommegranate Juice Concentrate
Mango Nectar
Contains chaunsa Mango Pulp
Mixed Fruit Nectar
Contains Mixed Fruit Concentrates & Fruit Pulps
Guava Nectar
Contains Guava Fruit Pulp
Chill & Shake Before Serving - Keep Refrigerated Once Opened
www.fruitio.com.pk
fruitioPakistan
fruitioPakistan

حرمتِ مسلم

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ بیت اللہ کا طواف فرمارہے تھے اور طواف کرتے کرتے بیت اللہ سے مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے مَا أَطْيَبَكِ تو کیا ہی پاکیزہ ہے وَأَطْيَبَ رِيحَكِ تیری ہوا کتنی پاکیزہ ہے مَا أَعْظَمَكِ کیا ہی تیری شان ہے، تو کتنا عظیم ہے وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے، پھر اللہ کے نبی ﷺ فرمانے لگے:

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللهِ مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ وَأَنْ يَظُنَّ بِهِ إِلَّا خَيْرًا

حضور ﷺ فرمانے لگے، تیری ہوا بھی بڑی پاکیزہ، تیری شان بھی بہت بلند، تیری حرمت بھی بڑی عظیم، لیکن جس ذات کے ہاتھ اور قدرت میں میری جان ہے، میں اس کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ ایک مومن کی حرمت اور عظمت اللہ کے ہاں تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی جان، اس کا مال، اس کی حرمت، اس کی عظمت تجھ سے بھی زیادہ ہے۔

آج دنیا میں کوئی بد فطرت انسان بیت اللہ کو ڈھانے نکلے تو بتایئے! مسلمان کی نظر میں وہ کس قدر کمینہ اور کس قدر گرا ہوا شخص ہوگا اور یہ ہونا بھی چاہیے کہ مسلمانوں کے دلوں کے اندر اس سے نفرت ہو، چاہے وہ کوئی لشکر ہو یا کوئی فرد ہو یا کوئی ملک آگے بڑھے،

لیکن رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: "بیت اللہ سے بھی زیادہ جس کی جان مال اللہ کے ہاں عظیم ہے، وہ ایک مومن کی جان ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی تعلیمات میں ایک مسلمان کی جان کی کیا قدر و قیمت ہے، ایک ایمان والے کی کیا قدر و قیمت ہے، ایک انسان کی جان و مال کا کس قدر اسلامی تعلیمات میں تحفظ ہے۔ جان کی حفاظت کے لیے شریعتِ اسلام بہت سارے گناہوں کے ارتکاب کی اجازت دیتی ہے۔ جان بچانے کے لیے اتنا خنزیر کھالو کہ جان بچ جائے، جان بچانے کے لیے اتنی شراب پی لے کہ جان بچ جائے، کوئی مسلح شخص کنپٹی پہ بندوق رکھ کے کہتا ہے کفر کا کلمہ کہہ دے، ورنہ جان چلی جائے گی، دل میں ایمان محفوظ ہے، زبان سے کلمہ کفر کہتا ہے تو دین اس کی بھی اجازت دیتا ہے، لیکن قتلِ ناحق کہ کسی کی گردن پہ پستول لے کر کھڑا ہو جائے کہ تو تیسرے آدمی کو قتل کردے تو دین کہتا ہے تو اپنی جان تو دے دے، لیکن کسی اور کی جان نہیں لے سکتا۔ قتلِ ناحق وہ سنگین گناہ ہے کہ اس کی کسی حال میں اجازت نہیں۔

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "کل قیامت میں سب سے پہلا معاملہ ہی اسی کا ہوگا کہ تو نے ایک انسان سے معاملہ کیسے کیا؟" سورۂ نساء ہے، قرآنِ مجید کی آیت ہے وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا جس نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا ہمیشہ جہنمی ہے۔۔۔ جی ہاں! کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرنے سے آدمی دائرۂ اسلام سے نکل جاتا ہے، اگر عصبیت کی وجہ سے، لسانیت کی وجہ سے، فرقہ واریت کی وجہ سے، اقتدار کی خاطر کسی مسلمان کا خون جائز سمجھتا ہے، حلال سمجھتا ہے، وہاں ایمان نہیں رہتا، پھر جس طرح کافر ہمیشہ جہنم میں رہے گا، جس طرح ایک مشرک ہمیشہ جہنم میں رہے گا، ایسے ہی مسلمان اور صاحبِ ایمان کا قاتل بھی ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهُ اس پر اللہ کا غضب ہے، اللہ کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا شدید عذاب تیار کر رکھا ہے۔ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا یہ قتلِ ناحق کی سزا قرآن میں بتائی ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ جن کی زبان سے پھول کھلتے ہیں۔ میٹھی اتنی کہ شہد بہتا ہے، جس زبانِ مقدّس سے قرآن جاری ہوتا ہے، تاریخِ اسلام میں اور آپ کی پوری زندگی میں سب سے پہلے اور سب سے آخری جملہ سب سے سخت جملہ آپ ﷺ کا ہے۔ آپ ﷺ فرمانے لگے: مَنْ يَعْتَزِىٔ بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ جو تمہیں عصبیت پر، لسانیت پر، برادری پر، قومیت پر، جاہلیت پر ابھارے اور تمہیں اس جاہلیت کی دعوت دے فَأَعِضُّوهُ وَلَا تَكْنُوْا تم اسے اس کے باپ کی گالی دو اور گالی میں کنایہ سے کام نہ لو، ذرا سوچنا چاہیے کہ اللہ کے نبی جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ جن کی زبان سے پھول کھلتے ہیں، قرآن جاری ہوتا ہے، شہد جیسی میٹھی زبان ہے، جنھیں رحمۃ للعالمین کہا گیا لیکن آپ ﷺ نے اتنا سخت جملہ، اتنی سخت بات پوری زندگی میں کبھی ارشاد نہیں فرمائی، جتنی اس بدنصیب شخص کے لیے فرمائی جو عصبیت کی دعوت دیتا ہے، جو قومیت اور وطنیت کی بات کرتا ہے، جو لسانیت اور زبان کی دعوت دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے برا بھلا کہو اور کنایہ سے کام نہ لو، اس لیے کہ اللہ کے نبی ﷺ وحدتِ اسلامی کی جو مضبوط بنیاد مدینہ منورہ میں رکھ کر گئے، یہ

عصبیت، یہ لسانیت، یہ فرقہ واریت، یہ اس کو کھوکھلا کرتی ہیں۔"

اسلامی تاریخ دیکھیں جب بھی اسلامی ملک پہ کبھی زوال آیا، خلافتِ عثمانیہ ٹوٹی، اندلس ہمارے ہاتھوں سے گیا تو یہی لسانیت، عصبیت اور فرقہ واریت کے بدبودار دعوے یا اقتدار پرستی کی جنگ یا پھر یہ لسانیت اور عصبیت کا عذاب یہی ناسور ہے، جس نے اس امت کو بار بار ڈسا اور بار بار اس سے شکست ہوئی اس امت کو، یہی وہ اژدہا ہے، جس نے بار بار اس امت کو زخمی کیا ہے۔ لسانیت، عصبیت اس کے دعوے دار آج دنیا میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ بدقسمتی سے ان کو فروغ ملتا ہے مسلمان معاشرے میں! ہم بہت سادہ لیتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ جراثیم پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ کہتے ہیں یہ سندھی ثقافت ہے، یہ بلوچی ثقافت ہے، یہ مہاجر ثقافت ہے، یہ پنجابی ثقافت ہے، یہ وہ زہریلا انداز ہے جو آپ کے اندر عصبیت پیدا کرتا ہے۔ ارے اسلامی ثقافت کا کیوں پرچار نہیں کرتے؟ تم اسلامی ثقافت کی کیوں حوصلہ افزائی نہیں کرتے؟ تم محمدی ثقافت کو کیوں پروان نہیں چڑھاتے؟

یہ وہ بدبودار دعوے ہیں، جو ملک وملت اور وطنِ عزیز کے ساتھ دشمنی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مفادات اور اپنے اغراض کی خاطر، اس امت کو اور اس قوم کو کبھی فرقہ واریت میں، کبھی اقتدار کی ہوس کی جنگ میں اور کبھی لسانیت اور عصبیت کی آگ میں جھونک رہے ہوتے ہیں اور ہم ان کے پیروکار بنتے ہیں، اس لیے کہ ہم بھی اسلامی تعلیمات سے دور ہوتے چلے جارہے ہیں۔ جب روح نکلتی ہے نا تو جسم اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ روح نکلتی ہے تو اس جسم کا وجود خطرے میں آجاتا ہے۔ روح جو نکل گئی، اس کے اعضا بکھرنے لگتے ہیں، سڑنے لگتے ہیں، وجود ختم ہو جاتا ہے۔ سچ یہ ہے جب مسلمانوں کے اندر سے اسلام کی روح نکلتی ہے، پھر یہ بکھرتے ہیں، پھر یہ تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ لسانیت کا بت، عصبیت کا بت، اقتدار کا بت، فرقہ واریت کی آگ، پھر اس معاشرے کو اپنے اندر نگل لیتی ہے اور سب جلا کے راکھ کر دیتی ہے۔ اسلامیت ہو، اسلام کی روح ہو، مجال ہے جو مسلمان بدبودار نعروں کے قریب آئیں۔

رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے "چھوڑو ان کو، یہ بدبودار نعرے ہیں۔" یہ لسانیت کی بات، یہ عصبیت کی بات، صوبائیت کی بات، قومیت کی بات یہ بدبودار نعرے ہیں۔ ہمارے لیے سب سے بڑے اعزاز اور فخر کی چیز کہ ہم مسلمان ہیں، کبھی کسی کو حقوق نہیں مل سکتے، عصبیت اور لسانیت کی بنیاد پر کبھی کسی کو حقوق نہیں ملتے! عدل وانصاف کا قانون تو صرف اسلام کے دامن میں ملے گا۔ سب کے حقوق کا تحفظ تو اسلام کے دامن میں ہے۔ تو ہم اسلام کا نعرہ کیوں نہیں لگاتے کہ ہم اسلام سے دور ہو گئے، اس لیے آج ہمارے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ ہم اسلامی قوانین سے محروم ہیں، اس لیے آج عدمِ تحفّظ کا ہم شکار ہیں۔ یہ تو ایسی وحدتیں ہیں رنگ، نسل، وطن، علاقے، فرقوں کی بنیاد پر تو یہ ایسا اتحاد ہے، یہ ایسی وحدت ہے کہ کھڑی ہی دوسروں کی نفرت پر ہے، جب تک تم دوسری مسلمان قوم سے نفرت نہیں کرو گے، یہ وحدت نہیں ہو سکتی۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا میری امت سے کوئی تعلق نہیں، جو عصبیت کی طرف بلائے۔ اس کا میری امت سے تعلق نہیں، جو عصبیت پر قتال کرے، جو عصبیت پر لڑے اور اس کا میری امت سے کوئی تعلق نہیں، جو عصبیت پہ مرے۔

1971 میں اتنا بڑا سانحہ ہم پہ گزرا ہے۔ کیا عصبیت کی بنیاد پر ایک بہت بڑا حصہ ہم سے نہیں کٹا؟ کیا ہم پھر اسی عصبیت کی وجہ سے کسی اور بڑے سانحے کے انتظار میں ہیں۔۔۔ یہ سب بدبودار نعرے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عصبیت کا میری امت سے کوئی تعلق نہیں۔" ذرا دیکھیے تو سہی! حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارس سے تھے، حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ حبشہ سے تھے، حضرتِ صہیب رضی اللہ عنہ روم سے تھے، کوئی قریشی تھا، کوئی بنوامیہ کا تھا، کوئی کالا تھا اور کوئی گورا تھا اور کوئی کہاں کا اور کوئی کہاں کا۔۔۔ مدینہ کی گلیوں میں یوں لگتا جیسے سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ روح موجود تھی نا ایمان واسلام کی! اور آج ایسا لگتا ہے جیسے ہم قومی سطح پر کوشش کرتے ہوں کہ کہیں اس امت میں اسلام کی روح پھر زندہ نہ ہو جائے۔

77 سال سے جب ہم نے اپنی قوم کو یہ شعور ہی نہیں دیا کہ ہم مسلمان ہیں جب ہمیں مسلمان ہونے کا تقاضے ہیں، تو پھر تو کوئی بھی دشمن اسے اپنا آلہ کار بنا سکتا ہے نا! پھر وہ کسی کے لیے بھی ہتھیار بن سکتا ہے نا! 77 سال سے کون سا قومی ادارہ ایسا ہے، جہاں ہم نے اپنی قوم کو اسلام کا شعور دیا ہو یا کون سا ذریعہ ابلاغ ہے، جس سے ہم نے اپنی قوم کو اسلام کا شعور دیا ہو، ہاں! فرقہ واریت بڑھائی ہے، نفرتوں کی آگ کو غذا بخشی ہے، اقتدار کی ہوس کو پروان چڑھایا ہے۔ وہ تو اسلام تھا جو اس پوری امت کو ایک کرتا رہا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ مسلمان اسلامی اخوت کی مبارک لڑی میں پرویا ہوا ہے۔ ایک مسلمان کی جان کی قیمت تو بیت اللہ کی حرمت اور عظمت سے زیادہ ہے، لیکن آج مسلمان کی جان ومال بے قیمت ہو گئے۔ کس کے ہاں بے قیمت ہو گئی؟ جس کے لیے ایک مسلمان کی جان لینا ایسے ہی ہے جیسے ایک مکھی کو مارنا، بلکہ اس سے بھی آسان ایک مسلمان کے لیے انسان کی جان لینا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے: کسی انسان کی جان ناحق لینا یہ پوری انسانی سوسائٹی کے لیے اتنا بڑا جرم ہے، یہ ایسا ہے کہ جیسے پوری انسانیت کو ایک بار ہی قتل کر دیا، جیسے روئے زمین کے جتنے انسان ہیں انھیں ایک بار ہی قتل کر دیا، لیکن یہ سب کچھ تو ایمان کے ساتھ ہے اسلامی تربیت کے ساتھ ہے، اسلامی تعلیمات کے ساتھ ہے، لیکن ہم نے تو اپنی پوری قوم کو اس سے بہت دور کر رکھا ہے۔ ہم تو سمجھ بیٹھے ہیں کہ ناچ گانے کے اندر ہی ہماری ترقی ہے۔ خدا سے بےزاری اور دین سے دوری کے اندر ہی ہم ترقی کریں گے اور اس کا عذاب آج آپ دیکھ رہے ہیں، اس کا عذاب آج پورے ملک میں مسلط ہے، پورا ملک عدمِ استحکام، بدامنی، انتشار کا شکار ہے، جان ومال کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔

حفاظت مشکل تو ہوگی، لیکن ہمیں سوچنا ہوگا اور ہمیں لوٹنا ہوگا، ہمیں اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا، ہمیں توبہ کرنا ہوگی، ہمیں اپنا رُخ ٹھیک کرنا ہوگا۔ اس ملک کی بقا حفاظت اور استحکام بھی اسلامی زندگی سے وابستہ ہیں اور ہمارے جان ومال اور تمام تر حقوق کا تحفّظ بھی اسلام کے عدل وانصاف کے نظام میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس راستے پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

قاری عبدالرحمٰن

تربیتِ اولاد
مشورے اور تجاویز

میاں بیوی میں بہت زیادہ تکرار اور اختلاف بلکہ جھگڑوں کا مرکزی موضوع عموماً بچے اور ان کی تربیت ہوا کرتی ہے، پہلے یہ جھگڑا کہ کون ان کی تربیت میں کتنا حصہ ڈالے، کس کے ذمے کیا کام ہو؟ سختی کون کرے اور نرمی کون، ڈانٹ ڈپٹ کا اختیار کس کے پاس ہے اور پیار وپُچکار کا کس کے پاس، اگر بچہ دونوں کی توجہ اور محنت سے یا اتفاقاً خود ہی اچھا نکل آئے تو دونوں بڑھ چڑھ کر اس کا کریڈٹ لیتے ہیں کہ ان کی فلاں کوشش سے یہ بچہ کامیاب ہوا ہے، دوسرے کی کوشش کا اعتراف دونوں میں سے کوئی نہیں کرتا اور اگر خدانخواستہ بچے کی عادات بگڑ جائیں اور والدین کے قابو سے نکل جائے تو دونوں ہی ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں کہ تمہاری فلاں غلطی، لاپروائی سے ایسا ہوا ہے، کوئی اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔

آج کی تحریر میں ہم اس ضمن میں کچھ تجاویز والدین کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں، اگر ان تجاویز کو سنجیدگی سے عمل میں لایا جائے تو اُمید کی جاتی ہے نہ صرف یہ مسئلہ خوش اسلوبی سے حل ہو سکتا ہے، بلکہ میاں بیوی میں اس اختلاف اور جھگڑے کی نوبت نہیں آئے گی۔ بات کے آغاز میں ہم ایک اللہ والے کا قول نقل کرتے ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے: بچے اپنی ماں کے تابع ہوتے ہیں، ان بچوں کی ماں اپنے شوہر کے تابع ہوتی ہے اور شوہر اللہ و رسول ﷺ کے تابع ہوتا ہے۔ یہ ایک چین ہے، اگر اس کی ہر کڑی دوسری کڑی سے جڑی ہوئی ہوگی تو سارے معاملات درست چلتے رہیں گے، جہاں کوئی کڑی ٹیڑھی ہوگئی، ٹوٹ گئی تو نظامِ تربیت بھی بگڑ سکتا ہے اور گھر کا سکون بھی برباد ہو سکتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کڑیاں کس طرح قائم رکھی جائیں، ان کو ٹوٹنے اور ٹیڑھا ہونے سے بچا کے کیسا رکھا جائے؟ اس کے لیے سچی بات تو یہ ہے کہ والدین کے منصب پر فائز ہونے والوں کی اگر اپنی تربیت درست ہوئی ہے تو وہ یہ کڑی ملائے رکھنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، اگر ان کی تربیت درست نہیں ہو سکی، لیکن کسی حادثے واقعے نے ان کی عقل ٹھکانے لگا دی یا کسی عقل مند کی دوستی نے انھیں اچھی راہ دکھا دی، کسی بزرگ کی صحبت نے راہِ راست سجھا دی تو وہ بھی اپنے بچوں کی درست تربیت کر سکتے ہیں، ورنہ ہم دیکھ ہی رہے ہیں کہ یہ تقریباً ہر گھر کی لڑائی اور جھگڑا ہے۔ ماں باپ اور بچوں میں دوری اس قدر زیادہ ہوتی جارہی ہے کہ بچے اپنے ماں باپ کی بالکل نہیں مانیں گے، لیکن ایک دن بلکہ ایک گھنٹے کی دوستی اور محبت انھیں پاگل بنا دے گی۔ اس کی وجوہ بہت سی ہوتی ہیں، لیکن ایک بڑی وجہ خود والدین میں عدمِ اتفاق! بچوں کو جن چیزوں سے بچا کے یا دور رکھنے کی تاکید کرتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے، جھوٹ، چغلی اور غیبت کی نحوست نے والدین کی زبان سے تاثیر ہی اٹھا لی ہے۔ لگتا ہے قدرت ہماری کوتاہیوں اور غلطیوں کی سزا اس طرح دیتی ہے کہ اگر ہم رب کی نہیں مانتے تو اولاد ہماری نہیں مانتی۔

اب چند مجرّب تجاویز پیشِ خدمت ہیں۔

◆ روزانہ سونے سے پہلے اپنا محاسبہ کرنے کی عادت بنالی جائے، اپنی ایک ایک عادت بات، تعلق، دوستی، معاملے کو پرکھ لیا جائے، اللہ و رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل میں کہاں کہاں ڈنڈی ماری ہے؟ یہ ضرور دیکھا جائے، جہاں غلطی نظر آئے، اس سے توبہ کی جائے، بلکہ جب بچہ نافرمانی کرے یا میاں بیوی میں اَن بَن ہو تو یہ محاسبہ کرنا چاہیے، یقین کیجیے اپنی کوئی نہ کوئی غلطی نظر آئے گی، اس کی اصلاح کرتے ہی معاملہ درست ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ!

◆ بچوں کی تربیت کے لیے کسی صاحبِ علم و عمل سے مشاورت رکھی جائے۔

◆ والدین ہر دو چار دن بعد آپس میں مذاکرہ کریں۔ ایک دوسرے کے لیے آئینہ بنیں۔ یہ مذاکرہ لڑائی جھگڑے کے بغیر ہونا چاہیے، اس مذاکرے میں بحث و مباحثہ، اونچ نیچ پر طعن و تشنیع سے گریز کیا جائے، اگر بیوی کو اللہ نے سمجھ بوجھ دی ہے تو اس کی بات ماننے میں شوہر کو عار نہیں ہونا چاہیے اور اگر شوہر ٹھیک ہو تو بیوی کو کٹ حجتی اور بحث سے پرہیز کرنا چاہیے، یہ مذاکرہ ایک دوسرے کے معمولات وعادات پر بھی ہونا چاہیے اور بچوں کی تربیت سے متعلق بھی۔

◆ تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ سے مناجات اور لو لگانے کا سلسلہ اس طرح رکھا جائے کہ کوئی دن اس سے خالی نہ ہو، کبھی ناغہ ہو جائے تو اس ناغے کی تلافی کی جائے۔

مصلحینِ امت فرماتے ہیں اگر بچوں کی تربیت میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی جان بوجھ کر نہیں کی، اس کے باوجود بچے اچھے نہ بن سکے تو والدین اللہ کے ہاں اس کے حساب سے بری ہو جائیں گے، لیکن اگر والدین نے تربیت پر توجہ نہ دی اور کوشش کا حق ادا نہیں کیا، اولاد اتفاق سے اچھی نکل گئی تو والدین یاد رکھیں انھیں اپنی اس غفلت اور کوتاہی کا حساب دینا پڑ سکتا ہے تو کیوں نہ اپنی ذمے داری پوری کی جائے اور آخرت کے مواخذے سے بچنے کا اہتمام کیا جائے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

ارضِ مقدّس، نبیوں کا وطن

نادیہ حسن

انبیاء کا مبارک وہ مسکن ہوں میں
خون سے پھر بھی دیکھو میں رنگین ہوں
صرف مسکن نہیں، ان کا مدفن ہوں میں
میں فلسطین ہوں، میں فلسطین ہوں
(خباب مشہود)

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی، جس کے ارد گرد پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم اُنھیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔" (الاسراء:1)

سرزمینِ فلسطین نہایت مبارک، مقدّس مقام، آسمانی پیغامات اور رسالتوں کا منبع ہے۔ اس سرزمین پر اکثر انبیائے کرام اور رُسل علیہم السّلام تشرف لائے۔ شبِ معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو عالمِ بالا کا سفر یہیں سے کروایا گیا تھا۔ نیز رسولِ اکرم ﷺ نے نبوّت کے بعد سولہ ماہ سے زیادہ عرصے تک اسی طرف رُخ کر کے نماز ادا فرمائی تھی، اس لیے یہ مسلمانوں کا قبلۂ اوّل بھی کہلاتا ہے۔

اللہ عزّوجل نے متعدّد مقامات پر سرزمینِ فلسطین کو خیر و برکت والی زمین فرمایا ہے اور اسے "ارضِ مقدّس" کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اے میری قوم! اس مقدّس سرزمین میں داخل ہو جاؤ، جو اللہ نے تمہارے واسطے لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل پیچھے نہ لوٹو، ورنہ پلٹ کر نامراد ہو جاؤ گے۔" (المائدۃ:21)

حضرت صالح علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت داوٗد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت زکریّا علیہ السلام، حضرت یحیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کتنے ہی انبیائے کرام علیہم السلام کی حیاتِ طیّبہ اس مبارک مقام سے متعلق رہی ہے۔ اسلام میں اس شہر اور اس مسجد کی خصوصی اہمیت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیت المقدس کا علاقہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ مسلمان یہ چاہتے تھے کہ شہر میں خون ریزی نہ ہو اور صلح کی صورت بن جائے۔ عیسائیوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ خلیفۃ المسلمین خود آکر دستاویز پر دستخط کریں، جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبول فرمالیا اور مدینہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر بیت المقدس تشریف لائے۔

مسجدِ اقصیٰ کی فضیلت ان احادیث سے بھی ثابت ہوتی ہے، جن میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "خاص طور پر تین مسجدوں کے لیے سفر کرنا درست ہے، مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ۔" (ابنِ ماجہ)

مسلمانوں کو اس مقدّس اور متبرک مقام سے ہمیشہ قلبی لگاؤ رہا ہے۔ ارضِ مقدّس یعنی "ارضِ مطہر" (پاک وصاف سرزمین) ہے۔ راغب کہتے ہیں: بیت المقدس یعنی یہ شرک و کفر کی نجاست سے پاک ہے۔

یہ سرزمین جس کے تقدّس اور تبرک کا تذکرہ قرآنِ کریم میں بار بار آیا ہے، اس پہ پہلی جنگِ عظیم دسمبر 1917 کے دوران انگریزوں نے قبضہ کر کے یہودیوں کو آباد ہونے کی عام اجازت دے دی تھی۔ یہود و نصاریٰ کی سازش کے تحت نومبر 1947 میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے دھاندلی سے کام لیتے ہوئے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کر دیا اور جب 14 مئی 1948 کو یہودیوں نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا تو پہلی عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی، جس کے نتیجے میں اسرائیلی، فلسطین کے 78 فیصد رقبے پر قابض ہوگئے اور اس پاک سرزمین کے مسلمانوں پر بدترین مظالم ڈھاتے رہے۔

عالمِ اسلام کے لیے قُدس ہمیشہ سے اہم ترین موضوع رہا ہے، کیوں کہ ایک غیر قوم فلسطین کی بابرکت زمین پر قبضہ کیے بیٹھی ہے، جس کی وجہ سے اکثر محافظینِ قُدس کو تشدّد کا نشانہ بنایا جاتا ہے، یہاں تک کہ معصوم بچوں اور عورتوں کو بھی بے دردی سے شہید کر دیا جاتا ہے۔۔۔ ان معصوموں کی چیخیں سن کر اور ان کے بہتے لہو دیکھ سخت سے سخت دل بھی پھٹ جائے، جب کہ یہ سلسلہ گزشتہ کئی دہائیوں سے مسلسل جاری ہے، مگر انسانی حقوق کے دعوے دار خاموش ہیں۔

اگر اسلامی ممالک ہمت سے کام لیں تو اسرائیل کی جراٴت نہیں ہو گی کہ کسی اسلامی ملک کی طرف میلی نگاہ سے دیکھے۔ مگر افسوس! کہ عالمِ اسلام کے رہنما اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے امتِ مسلمہ کے مشترکہ مفادات سے نظریں چرا رہے ہیں۔ فلسطینیوں پہ مظالم کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھ کر بھی دنیا بھر کے مسلمان حکمران خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔۔۔

یہ اقتدار یہ شان و شوکت تو ایک نہ ایک دن ختم ہونا ہی ہے، کیوں نہ ایسا کام کر جائیں کہ تاریخ سنہری حروف میں یاد رکھے۔۔۔ ایک مظلوم عورت نے بس ایک بار کہا تھا: وَامُعْتَصِماہُ تو معتصم باللہ نے اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ آج فلسطینی لاشیں اٹھا اٹھا کے تھک گئے، امتِ مسلمہ کو پکار پکار کے تھک گئے، لیکن یہ مسلمان حکمران اپنی بادشاہت، اپنے اقتدار، اپنے مفادات کے آگے بے بس ہیں، اندھے ہیں۔

امنِ عالم پوری دنیا کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے اقوامِ متحدہ اپنا فرض ادا کرے۔ بیت المقدس کی بازیابی کے لیے پوری مسلم امہ اتحاد کا مظاہرہ کرے اور فلسطینی عوام کو یہودیوں کے مظالم سے نجات دلائے۔۔۔!!

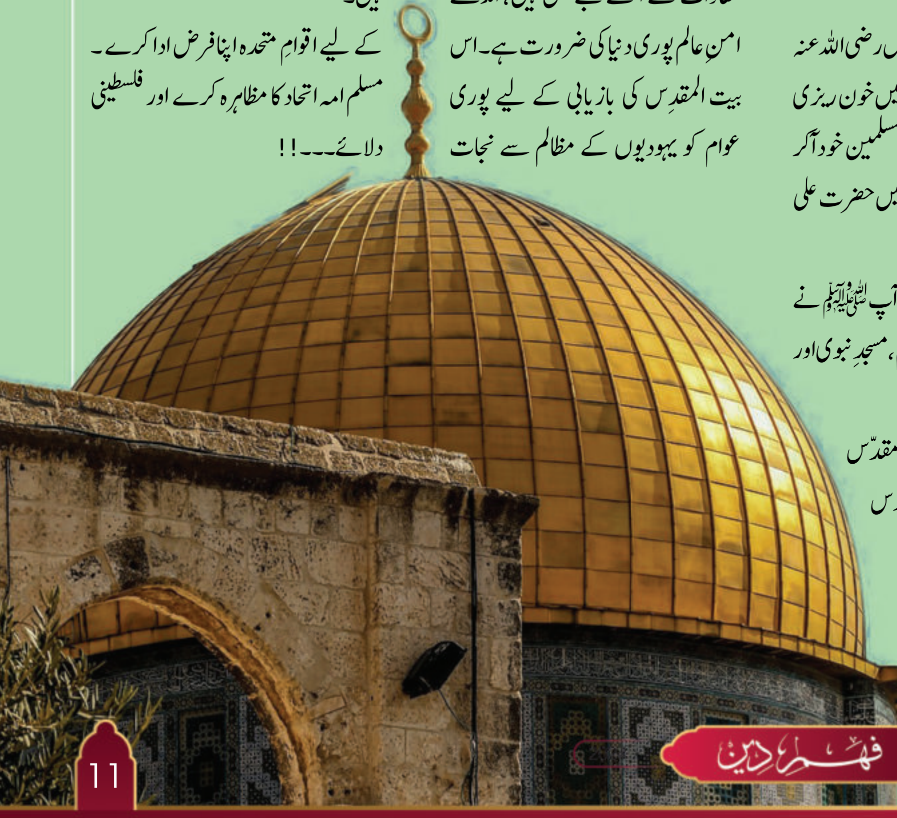

قبلہ اول کی پکار

حفصہ محمد فیصل

تو رہا قبلہ ہمارا تری عظمت ہے بہت ۔۔۔ ذکرِ قرآں میں ہے پایا تری برکت ہے بہت
تیرے آنگن میں ملا رب کے پیغمبر سارے ۔۔۔ ہم کو معلوم ہے اقصیٰ تری حرمت ہے بہت

فلسطین، غزہ، مسجدِ اقصیٰ کے لیے یوں تو ہر باشعور مسلمان کے دل میں روزِ اوّل سے ایک نرم گوشہ ان مقدّس مقامات کے لیے رہا ہے اور رہے گا۔ اسلام کا قبلہ اوّل ہونے سے لے کر اس منزل تک جہاں نبی اکرم ﷺ کی اقتدا میں رات کے سفر (معراج) کے دوران تمام انبیائے کرام نے نماز باجماعت پڑھی۔ مسجدِ اقصیٰ اسلام کی سب سے خاص تاریخی یادگاروں میں سے ایک ہے۔

مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ اوّل ہے۔ یہ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کے بعد مسلمانوں کے لیے تیسرا سب سے مقدّس ترین مقام ہے۔ یہ مسجدِ فلسطین کے شہر یروشلم کی سب سے بڑی مسجد ہے، جس میں کثیر تعداد میں نمازیوں کی گنجائش ہے اور مسجد کے خارجی صحن میں بھی ہزاروں فرزندانِ توحید نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجدِ اقصیٰ کو باقی مساجد پر فوقیت بھی حاصل ہے اور تاریخی اہمیت بھی حاصل ہے۔

لہٰذا مساجد میں سب سے افضل مسجدِ حرام پھر مسجدِ نبوی اور تیسرا مقام مسجدِ اقصیٰ کا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی زندگی میں تین اہم مساجد کی زیارت کرنے کا حکم دیا۔ مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام، مدینہ منورہ میں مسجد نبوی اور مسجدِ اقصیٰ یروشلم میں، اس لیے کہ ان تینوں مساجد میں سے کسی ایک میں بھی نماز پڑھنے کا ثواب کسی اور جگہ کی نماز سے پانچ سو گنا زیادہ ہے۔

قرآنِ حکیم میں اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے: "وہ ذات پاک ہے جو لے گئی ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجدِ اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک، جس کے اِرد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔" (بنی اسرائیل:۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ؛ "ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ 16 یا 17 مہینے تک القدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دیکھو اپنا منہ کعبہ کی طرف پھیر لو! (مکہ میں)" (صحیح بخاری)

احادیث نبوی ﷺ میں بھی مسجدِ اقصیٰ کا ذکر اور فضیلت تواتر سے ملتی ہے۔

فلسطین کی تاریخ: ہجری (637) میں بیت المقدس فتح ہونے کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو بیت المقدس کی زیارت کی اجازت دی، جب کہ اس سے پہلے عیسائیوں نے ان پر پابندی لگا رکھی تھی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے بیت المقدس فتح کرنے کے بعد اور بعد میں طویل عرصہ تک سلطنتِ عثمانیہ کے زمانے میں یہودی قلیل تعداد میں رہے، لیکن عیسائی ظلم و ستم اور ذلت و خواری والی زندگی سے بہتر حالت میں رہے۔ انیسویں صدی میں یورپ اور روس میں یہودیوں کے خلاف عیسائیوں میں شدید نفرت اور مظالم پھر سے ابھرے۔ ان حالات میں یہودیوں نے عیسائیوں کے ظلم سے تنگ آ کر نقل مکانی کی۔

پہلی جنگِ عظیم (1914-1918) میں سلطنتِ عثمانیہ نے جرمنی کا ساتھ دیا تھا اور جب جرمنی ہار گیا تو برطانیا نے سلطنتِ عثمانیہ کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔

جب فلسطین کے عرب مسلمانوں میں یہودیوں کے خلاف شدید ردِّ عمل پیدا ہونے لگا اور دونوں کے درمیان میں شدید جھڑپیں ہونے لگیں تو برطانیا نے فلسطین سے جانے کا فیصلہ کیا اور اقوامِ متحدہ سے اس علاقے کے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا کہا۔

اقوام متحدہ نے 1947 میں فیصلہ دیا کہ فلسطین کو دو ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے: "مغربی علاقہ جہاں یہودیوں کی اکثریت آباد تھی، وہاں یہودی اسرائیل کی ریاست قائم کریں اور مشرقی علاقہ میں فلسطینی عرب مسلمانوں کی ریاست قائم ہو جائے، جب کہ بیت المقدس اقوامِ متحدہ کے کنٹرول میں رہے۔"

یہودیوں نے اس فارمولے کو قبول کر لیا جب کہ فلسطینی مسلمانوں اور عرب ممالک نے اپنے درمیان میں ایک یہودی ریاست کے قیام کو یک سر مسترد کر دیا۔

یہودیوں نے 14 مئی 1948 کو اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا تو اسرائیل اور عرب ممالک کے درمیان میں جنگیں چھڑ گئیں۔ یہ جنگیں 1967 تک چلیں۔

1967 کی عرب۔اسرائیل جنگ کے اختتام پر اسرائیل کا پورے فلسطین پر قبضہ ہو گیا۔ مقدّس مقامات تاریخ میں پہلی مرتبہ یہودیوں کے قبضے میں آ گئے۔

آج کے حالات: ان دنوں بھی فلسطین میں جو ہو رہا ہے، امریکا کی سرپرستی میں ہی ہو رہا ہے۔

سات اکتوبر کو حماس نے اسرائیل پر حملہ کیا۔

اسرائیل اور فلسطین تنازع کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ فلسطین ایک آزاد ریاست کے خواہاں ہیں، لیکن ان کی یہ خواہش کئی سال گزرنے کے باوجود بھی پوری نہیں ہوئی۔

دو ریاستی حل میں 1967 کی سرحدوں کی بنیاد پر ایک مکمل خود مختار آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کی تجویز دی گئی ہے، جس کا دارالحکومت مشرقی یروشلم ہو گا۔ یہ حل "زمین کے بدلے امن" کے اصول پر مبنی ہے، یہ منصوبہ پیش کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ مخصوص زمینوں پر رعایتیں دے کر طویل مدتی امن حاصل کیا جا سکتا ہے۔

آج بھی یہ جنگ زور شور سے جاری ہے، اللہ تو گواہ رہنا! ہماری فلسطینی بہنیں صحابیات کی مانند تیرے دین کے لیے، مسجدِ اقصیٰ کے لیے صیہونی فوجوں سے لڑتی رہیں۔

یہود سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی املاک کو تباہ اور نسلوں کو ختم کر رہے ہیں، لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے۔ بظاہر تو ایسا ہی ہو رہا ہے، لیکن جس کے ساتھ رب کی نصرت، فتحِ مبین کا یقین ہے، تا دمِ آخر مقابلہ کرتا ہے۔ ہمارے فلسطینی بھائی یہی کر رہے ہیں۔

تم شہرِ اماں کے رہنے والے درد ہمارا کیا جانو۔۔۔
اپنے ہی وطن میں بے گھر ہم تم حال ہمارا کیا جانو۔۔۔

ہمیں اپنی نسلوں کو بیدار کرنا ہو گا کہ مسجدِ اقصیٰ ہماری ہے، اس کے گنبد اپنے وارثوں کو آواز دے رہے ہیں کہ؛ "اے ایوبی کے فرزندو! یہ سرزمین تمہارے قدموں کی چاپ سننے کے لیے بے تاب ہے۔ اس کے محافظ بن جاؤ، تاکہ روزِ محشر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچو۔"

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے ۔۔۔ نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

Perfect
FRESHENER
ROOM FRESHENER
Ghilaaf-e-Kaaba
LA PERFUME
DRY 300 ml e
Experience
THE HOLY
scent
Perfect
FRESHENER

سیب

حکیم شمیم احمد

سیب کو عربی میں تفاح اور انگریزی میں Apple کہتے ہیں۔ سیب کے بارے میں مشہور ضرب المثل ہے۔ "ایک سیب روزانہ طبیب سے بے گانہ۔" سیب کا ذکر مقدس کتاب توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت زکریا علیہ السّلام کے زمانے میں بھی تھا۔ انجیل میں اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ افراط سے کھاؤ۔ وہاں جس پھل کا ذکر ہے، یعنی کھانے میں اچھا، دیکھنے میں خوش نما اور پسندیدہ وہ سیب تھا۔ یہ معتدل موسم میں وسیع پیمانے پر کاشت کیا جاتا ہے۔ سیب سرد مقامات سے آتا ہے۔ گرم مقامات کے باشندے آم، کیلے، اناس اور پپیتے کے باوجود سیب کے شائق ہیں۔ یہ دیکھنے، چکھنے، سونگھنے اور چبانے میں ان کا پسندیدہ پھل ہے۔ سیب میں کوئی مخصوص حیاتین یا معدنیات کثرت سے نہیں ہوتے، بلکہ ان میں قلیل مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ ایک درمیانی جسامت کے سیب میں 80 حرارے ہوتے ہیں۔ ریشہ بھی ہوتا ہے، جس سے قبض بآسانی رفع ہوجاتا ہے۔ اس کا گودا مسوڑھوں کے لیے مفید ہے۔

ایک تجربے کے مطابق یونی ورسٹی کے جن طلبہ نے روزانہ ایک سیب پابندی سے کھایا، ان کی صحت قابلِ رشک رہی۔ ایک سیب میں اسی قدر توانائی ہے، جس قدر دیگر پھلوں میں ہوتی ہے۔ یونانی طبّ میں مربہ سیب اور اس کی دیگر شکلیں مروّج ہیں جو بطورِ مفرّح اور مقوی قلب استعمال ہوتی ہیں۔ یہ بات پورے اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ جو لوگ ہفتے میں پانچ یا اس سے زائد سیب کھاتے ہیں، ان کے پھیپھڑوں کا فعل درست رہتا ہے۔ یہی خوبی پیاز میں بھی ہے، سیب کی پیکٹن سے فشارِ خون کم رہتا ہے۔ اس میں شامل حیاتین الف، جس سے نزلہ رفع ہوجاتا ہے۔ یہ امراضِ جلد اور تناؤ میں بھی مفید ہے۔ سیب کا رَس بچوں کے لیے ہضم کرنا دشوار ہے، انگور اور نارنگی کا رَس جلد ہضم ہوجاتا ہے۔

سیب کی تمام خصوصیات کے حصول کے لیے اسے آہستہ آہستہ چبانا چاہیے۔ ایسا اس لیے ضروری ہے، کیوں کہ یہ پھل ہمارے سلیوری گلینڈ اور گیسٹرک گلینڈ کو سرگرم رکھتا ہے، جس سے ہاضمے کا نظام بہتر ہوجاتا ہے۔ اس میں موجود سیلولوز کی وجہ سے یہ آنتوں کے عمل کو مضبوط بنانے میں معاون ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں ٹیننین زیادہ مقدار میں ہوتا ہے۔ اس لیے یہ آنتوں کے امراض میں فائدہ دیتا ہے۔ وافر فائبر کی بدولت چھاتی قولون اور ہمہ اقسام کے کینسر سے تحفظ بھی فراہم کرتا ہے۔ سیب میں پائے جانے والے اہم غذائی اجزا میں گھلنے والے فائبر (پیکٹین) کرومیم اور گلوسیٹول شامل ہیں۔ ان میں پولی فنولز (اینٹی بیکٹیریل) اور گلوٹا تھیون (اینٹی ایسڈ اور اینٹی کرسنوجنک) موجود ہیں۔

وٹامن اے، وٹامن سی، کیلشیم، آئرن، گلوکوز اور فروکٹوز کی اعلیٰ مقدار کی وجہ سے سیب توانائی کا بہترین ذریعہ ہے

- ورم قولون (کولائٹس) کے لیے ایک گلاس سیب کے جوس کو آدھا گلاس گاجر کے جوس کے ساتھ ملا کر استعمال کرنا چاہیے۔
- ہفتے میں پانچ سیب کھانے والے سانس کی بیماری اور دمے سے محفوظ رہتے ہیں۔
- برازیل میں کی گئی تحقیق کے مطابق کھانے سے قبل سیب کا استعمال خواتین میں وزن کم کرنے کا باعث بنتا ہے۔
- قبض رفع کرنے کے لیے ایک سیب صبح اور شام کھایا جائے۔
- سیب کے مزاج کے بارے میں طبیب حضرات کا قول یہ ہے کہ شیریں سیب گرم تر ہے، کھٹا سیب سرد خشک ہے، پھیکا سیب سرد تر ہے، کھٹ میٹھا یعنی چاشنی دار سیب معتدل ہے۔

مفردات کی تمام کتابوں میں سیب کی یہی طبیعت بتائی گئی ہے۔ اس لیے سیب سودا کی پیدائش کا موجب ہے اور یہی وہ سربستہ راز ہے، جس کی بنا پر شیخ الرئیس بو علی سینا نے سیب کا شمار امراضِ قلب میں کیا ہے۔ قلب کا اپنا مزاج سوداوی ہے، اس لیے ضعفِ قلب کی حالت میں سیب دل کے لیے ایک تریاقی اثر دوا ہے، چناں چہ طبِّ یونانی کے بیش قیمت مرکبات میں عارضۂ قلب کے لیے دوالمسک خاص طور پر معروف ہے، جس میں سیب کو اس کا لازمی جزو سمجھا جاتا ہے۔ سیب پژمردگی، مردہ دلی، مایوسی، مالیخولیا، اُداسی اور رنج و فکر کا بہترین علاج ہے۔ ایسے تمام امراض و عوارض میں سیب کو دوپہر کھانا کھانے کے بعد استعمال کرنا باعثِ راحت ہوتا ہے۔ اس سے چند ہی روز میں طبیعت ہشاش بشاش اور خوب چست ہوجاتی ہے۔ معدے کی کم زوری کے باعث جن حضرات کی بھوک بند ہوگئی ہو یا بہت کم لگتی ہو، انھیں چاہیے کہ تازہ سیب کے جوس میں سیاہ مرچ پسی ہوئی، زیرہ سفید اور نمک ملا کر پییں۔ اس سے ان شاء اللہ نہ صرف بھوک خوب لگے گی، بلکہ کھایا پیا بھی جزوِ بدن بنے گا۔

جذام (کوڑھ) کا تیر بہ ہدف علاج

ھوالشافی: سیب کا رَس چار تولہ
بھیڑ کا دودھ چار تولہ

ہر ایک کو باہم ملا کر ذرا سا گرم کر لیں اور کپڑے سے چھان کر روزانہ مریض کو پلائیں۔ ان شاء اللہ! ہفتے تک استعمال کرنے سے جذام دور ہو جاتا ہے۔ غذا میں مریض کو گندم اور جو کی آمیختہ روٹی دیں، کھٹی چیزوں سے مکمل پرہیز کریں۔ بوقتِ صبح بطورِ ناشتا مربہ سیب ورق نقرہ خالص لپیٹ کر استعمال کریں۔ یہ صرف مقوی قلب ہی نہیں، بلکہ مقوی دماغ بھی ہے۔ اگر اس میں مغز بادام شیریں رات عرقِ کیوڑہ خالص میں بھگو کر ناشتے میں شامل کر لیا جائے تو فوائد میں بیش بہا اضافہ ہوجاتا ہے۔

ھوالشافی: ایک پختہ سیب لے کر کوٹیں اور صاف ململ کے کپڑے سے رَس نچوڑ لیں۔ اس میں تھوڑی سی مقدار میں مصری ملا کر صبح کے وقت پیا کریں، ان شاء اللہ! چند یوم میں ہی اس کے استعمال سے ہر قسم کی کھانسی کا عارضہ دور ہوجائے گا۔

بے خوابی کیسے دور ہو؟

ھوالشافی: روزانہ صبح کے وقت 3 ماشہ بیدانہ پوٹلی میں باندھ کر 3 چھٹانک پختہ سیب کے رَس میں جوش دیں اور ٹھنڈا کر کے پلائیں، ان شاء اللہ! سات دن کے استعمال سے بے خوابی کا مرض دور ہوجائے گا اور اس سے دماغ کو بھی تقویت ملے گی۔

خفقان کے لیے نفع بخش نسخہ

ھوالشافی: سیب کا شربت 5 تولے میں حسب طبیعت کشتہ یشب ارتی ملا کر چاٹا کریں، ان شاء اللہ! چند روز کے استعمال سے خفقان دور ہوجائے گا۔

بچھو کے کاٹے کے لیے بہت مفید نسخہ

ھوالشافی: تازہ سیب اچھی طرح کوٹ کر درد کے مقام پر لیپ کریں اور کچھ سیب کھلا دیں، ان شاء اللہ! اسی وقت درد اور ٹیسیں دور ہو کر آرام آجائے گا۔

آشوب چشم کے لیے

ھوالشافی: سیب کا ایک ٹکڑا لے کر چاقو سے چھیل لیں۔ کوٹ کر کے دُکھتی آنکھوں پر رکھ کر اوپر سے ململ کی پٹی باندھیں، ان شاء اللہ! فوری آرام آجائے گا۔

مفتی محمد توحید

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

زندگی سے بے زار ہو کر موت کی دعائیں کرنا

سوال: ایک آدمی اپنی زندگی سے بے زار ہے، اس لیے وہ موت کی دعائیں مانگتا ہے، کیا اس حالت میں اس کا یہ فعل جائز ہے؟

جواب: واضح رہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔

دراصل موت مانگنے کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کوئی شخص دنیوی مصائب وآلام کی وجہ سے موت مانگتا ہے، یہ جائز نہیں، بلکہ عقلاً بھی یہ احمقانہ حرکت ہے، اس لیے کہ مرنے کے بعد کی تکلیف کا تحمل اس سے بھی زیادہ مشکل ہوگا۔ مرزا غالب کے بقول:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے — مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟

پھر یہاں تو کم سے کم کوئی غم خواری کرنے والا ہوگا، کوئی معالج و تیمار دار ہوگا، کوئی حال احوال پوچھنے والا ہوگا، قبر میں تو قیدِ تنہائی ہے۔ (یا اللہ! تیری پناہ!) اور پھر دنیا کے مصائب میں ایک چیز موجبِ تسکین رہتی ہے کہ زندگی فانی ہے اور زندگی کے مصائب بھی ختم ہونے والے ہیں، قبر میں تو یہ آس بھی نہیں رہے گی، اس لیے مصیبت پر گھبرا کر موت کی تمنّا نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگنی چاہیے اور صبر و شکر کے ساتھ راضی برضا رہنا چاہیے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی فتنوں سے بچنے کے لیے موت کی تمنّا کرے، اس کی اجازت ہے، چناں چہ حدیث میں یہ دعا منقول ہے: ”یا اللہ! جب آپ کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنے کا ارادہ فرمائیں تو مجھے فتنے میں ڈالے بغیر ہی اٹھا لیجیے۔“

تیسری صورت یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں موت کا مشتاق ہو، کیوں کہ موت وہ پُل ہے جو ”دوست کو دوست تک پہنچاتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں موت کو چاہنا حضراتِ اولیاء رحمہم اللہ کی شان ہے، لیکن تقاضائے ادب یہ ہے کہ اس حالت میں بھی زبان سے موت نہ مانگنی چاہیے، اِلّا یہ کہ یہ جذبہ اتنا غالب ہو جائے کہ آدمی کو بے بس کر دے۔

کیا قاتل کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے؟

سوال: کیا قاتل کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے؟

جواب: توبہ تو ہر گناہ سے ہو سکتی ہے اور ہر سچی توبہ کو قبول کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے، لیکن قتل کے جرم سے توبہ کرنے میں کچھ تفصیل ہے، اس کو سمجھ لینا ضروری ہے:

قتل بہت بڑا گناہ ہے، جس کا تعلق بندے کے حق سے بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق سے اس کا تعلق اس طرح ہے کہ جان اور جسم کا رشتہ اللہ تعالیٰ نے جوڑا ہے، جو شخص کسی کو قتل کرتا ہے، وہ گویا اللہ تعالیٰ کے اس فعل میں مداخلت کرتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے کسی کو ناحق قتل کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، لیکن قاتل اس ممانعت کی پروا نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرتا ہے۔

بندے کے حق سے قتل کا تعلق دُہرا ہے: ایک تو اس نے مقتول کو ظلم کا نشانہ بنایا، دوسرے مقتول کے لواحقین پر ظلم ڈھایا، اس کی بیوی کا سہاگ اُجاڑ دیا، اس کے بچوں کو یتیم کر دیا، اس کے بہن بھائیوں کا بازو کاٹ دیا اور اس کے اعزّہ و اقارب کو صدمہ پہنچایا۔

جب یہ بات معلوم ہوئی کہ قتل میں اللہ تعالیٰ کے حق کی بھی حق تلفی ہے، مقتول کے حق کی بھی اور اس کے وارثوں کی بھی۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ توبہ اس وقت قبول ہوتی ہے جب آدمی کو اپنے جرم پر ندامت بھی ہو اور اس جرم سے جن جن کی حق تلفی ہوئی ہے، ان کا حق یا تو ادا کر دیا جائے یا ان سے معاف کرا لیا جائے، لہٰذا قاتل کی توبہ اس وقت قبول ہوگی، جب متعلقہ فریقوں سے اس کو معافی مل جائے۔ اللہ تعالیٰ سے اگر سچے دل سے معافی مانگی جائے تو وہ ارحم الراحمین، غنی مطلق ہیں اور ان کے دربار سے تو معافی مل جائے گی۔ مقتول دوسرے جہاں میں جا چکا ہے، اس سے معافی کی صورت بس ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ قاتل کی سچی توبہ کو قبول فرما کر مقتول کو اس سے راضی کرا دیں اور اس پر جو ظلم ہوا ہے، اس کا بدلہ اپنے پاس سے ادا فرما دیں اور مقتول کے وارثوں کی جو حق تلفی ہوئی ہے، قاتل ان کو معاوضہ دے کے یا بلا معاوضہ معاف کرا لے۔ اگر یہ تینوں فریق اس کو معاف کر دیں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا جرم معاف ہو جائے گا، ورنہ آخرت میں اسے اپنے کیے کی سزا بھگتنی ہوگی۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ شریعت نے قتل کی جو دنیاوی سزا رکھی ہے، یہ سزا اگر قاتل پر جاری بھی ہو جائے، تب بھی آخرت کی سزا سے بچنے کے لیے توبہ ضروری ہے۔

حدیث کے منکر کی اسلام میں حیثیت

سوال: جو حدیث کا انکار کرے، کیا وہ اسلام سے نکل جاتا ہے؟

جواب: واضح رہے کہ ”حدیث“ نام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا، جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتا ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و فرامین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد کو سر آنکھوں پر رکھے گا اور اسے واجب التسلیم سمجھے گا اور جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو لائق تسلیم نہیں سمجھتا، خود دیکھ لیجیے کہ اس کا ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسا ہے اور مسلمانی میں اس کا کتنا حصہ ہے؟

بلا تحقیق حدیث کا انکار کرنا

سوال: میں نے ایک حدیثِ مبارکہ پڑھی کہ جو آدمی زنا کرتا ہے تو ایمان اس کے پاس سے نکل کر اس کے سر پر لٹکتا رہتا ہے، پھر جب وہ فراغت کے بعد پشیمان ہوتا ہے تو ایمان واپس آ جاتا ہے۔ یہ حدیث میں نے اپنے ایک دوست کو اس وقت سنائی جب زنا کا موضوع زیر گفت گو تھا اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ یہ حدیث ہے تو اس نے جواب دیا کہ ”چھوڑو! یہ مولویوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔“

تعلیم کا معیار اور اصلاحات

حفصہ سلطان

تعلیم ایک ایسا عمل ہے، جس کے ذریعے فرد کو علم، مہارتیں اور اقتدار سکھائی جاتی ہیں، تاکہ وہ معاشرے کا ایک کارآمد اور باشعور فرد بن سکے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”علم کا حصول ہر مرد اور عورت پر فرض ہے۔“ یہ علم دینی ہو یا دنیاوی دونوں ضروری ہیں۔ یہ عمل محض نصابی کتابوں تک محدود نہیں، بلکہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے اور ان سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ تعلیم کا مقصد صرف معلومات فراہم کرنا نہیں، بلکہ شخصیت کی تعمیر اور انسانی صلاحیتوں کو نکھارنا بھی ہے۔ تعلیم کسی معاشرے کی ترقی اور خوش حالی کا بنیادی عنصر ہے۔ تعلیم انسان کو مختلف علوم اور فکری شعور سے آراستہ کرتی ہے۔

پاکستان کا تعلیمی نظام مختلف مسائل اور چیلنجوں سے دوچار ہے، جو ملک کی مجموعی ترقی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

نصاب میں تفاوت: ملک میں مختلف نصاب رائج ہے، جیسے سرکاری، نجی اور دینی مدارس کے نصاب یہ تفاوت طلبہ میں عدمِ مساوات اور تقسیم پیدا کرتی ہے۔

وسائل کی کمی: بہت سے سرکاری اسکول بالکل بنیادی سہولتوں سے بھی محروم ہیں، جیسے کہ صاف پانی، بجلی وغیرہ۔ اس کے علاوہ لیب اور کتب کی فراہمی بھی ناکافی ہے۔

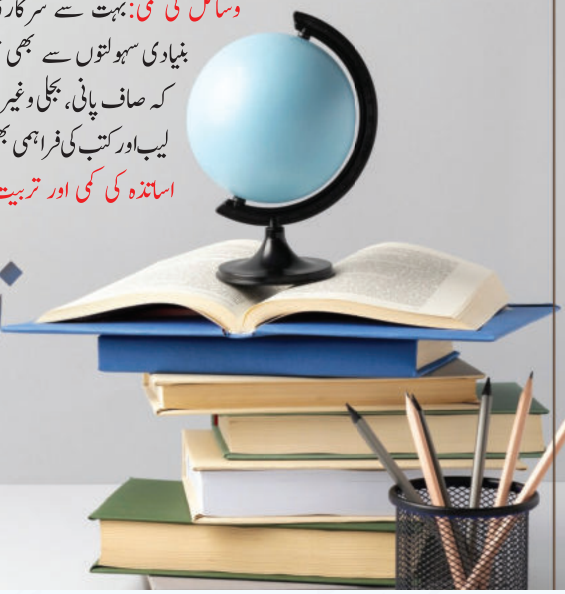

اساتذہ کی کمی اور تربیت: اکثر سرکاری اسکولوں میں اساتذہ کی تعداد کم ہوتی ہے اور جو موجود ہیں، ان کی تربیت کا معیار بھی غیر تسلی بخش ہوتا ہے۔ سفارش پر تقرریاں ہوتی ہیں اور مبینہ طور پر رشوت کا لین دین بھی خوب چلتا ہے، ایسے اساتذہ جو پیسے دے کر ڈگری حاصل کریں، پیسے دے کر ہی اساتذہ لگیں، وہ نئی نسل کی کیا تربیت کریں گے اور نئی نسل انھیں کیسے ادب واحترام دے گی۔

مالی مشکلات: حکومت کی جانب سے تعلیم پر خرچ کیے جانے والے بجٹ کی کمی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ بیشتر منصوبے مالی وسائل کی قلّت کی وجہ سے تکمیل تک نہیں پہنچ سکتے۔

پاکستان کے تعلیمی نظام کی بہتری کے لیے اصلاحات ناگزیر ہیں، ان خامیوں کو دور کیے بغیر ہم معیاری تعلیم فراہم کرنے میں ناکام رہیں گے۔

یکساں نصاب: ملک بھر میں یکساں نصاب رائج کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ ہر طالبِ علم کو مساوی تعلیم کے مواقع فراہم ہوں۔

وسائل کی بہتر تقسیم: سرکاری اسکولوں میں وسائل کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا جائے، تاکہ دیہی علاقوں میں بھی تعلیمی معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔

اساتذہ کی تربیت: اساتذہ کی تربیت کے لیے جامع پروگرام کا انعقاد کیا جائے اور ان کی تعلیمی قابلیت کو بہتر بنانے کے لیے مختلف کورس متعارف کروائے جائیں۔

تعلیم ایک جامع عمل ہے جو فرد کو علم، اخلاقیات اور معاشرتی ذمے داریوں کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ اسے عملی زندگی کے لیے تیار کرتی ہے۔ یہ عمل معاشرتی اور اقتصادی ترقی کی بنیاد اور فرد کی مجموعی شخصیت کو نکھارنے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ تعلیم کے لیے بہتر اصلاحات کر کے ملک کی ترقی کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ یہ حدیث مستند اور معتبر ہے یا ضعیف؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ میرے دوست کا یہ کہنا کہ ”یہ مولویوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔“ کہاں تک صحیح ہے؟

جواب: واضح رہے کہ یہ حدیث مشکوۃ شریف ص: ۷ پر صحیح بخاری کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ آپ کے دوست کا اس کو مولویوں کی گھڑی ہوئی باتیں کہنا جہالت کی بات ہے۔ ان کو اس سے توبہ کرنی چاہیے اور بغیر تحقیق کے ایسی باتیں کہنے سے پرہیز کرنا چاہیے، ورنہ بعض اوقات ایمان ضایع ہو جاتا ہے۔

پرائز بانڈ کا حکم

سوال: پرائز بانڈ کا کیا حکم ہے؟

جواب: پرائز بانڈ کی خرید و فروخت اور اس پر ملنے والا انعام ناجائز اور حرام ہے، اس میں سود اور جوا پایا جاتا ہے۔

پرائز بانڈ میں سود کا وجود تو بالکل ظاہر ہے، کیوں کہ سود کی حقیقت یہ ہے کہ مال کا مال کے بدلے معاملہ کرتے وقت ایک طرف ایسی زیادتی مشروط ہو، جس کے مقابلے میں دوسری طرف کچھ نہ ہو، بعینہ یہی حقیقت بانڈ کے انعام میں بھی موجود ہے، کیوں کہ ہر آدمی مقررہ رقم دے کر پرائز بانڈ اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس سے قرعہ اندازی میں نام آنے پر اپنی رقم کے علاوہ زیادہ رقم مل جائے اور یہ زائد اور اضافی رقم سود ہے، کیوں کہ شریعت میں ایک جنس کی رقم کا تبادلہ اگر آپس میں کیا جائے تو برابری کے ساتھ لین دین کرنا ضروری ہوتا ہے، کمی بیشی کے ساتھ لین دین کرنا سود ہے، اسی طرح سود کی ایک اور حقیقت جو قرآنِ کریم کے نازل ہونے سے پہلے بھی سمجھی جاتی تھی، وہ یہ تھی کہ قرض دے کر اس پر نفع لیا جائے، سود کی یہ تعریف ایک حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ وَجْهٌ مِنْ وُجُوهِ الرِّبَا یعنی ہر وہ قرض جو نفع کمائے، وہ سود ہے، لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ جو زیادتی قرض کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو، وہ بھی سود میں داخل ہے اور سود کی یہ حقیقت بانڈز کے انعام پر بھی صادق آتی ہے، کیوں کہ بانڈز کی حیثیت قرض کی ہوتی ہے، حکومت اس قرضے کو استعمال میں لاتی ہے اور قرضے کے عوض لوگوں سے ایک مقرّرہ مقدار میں انعام کا وعدہ کرتی ہے اور پھر قرعہ اندازی کے ذریعے انعامی رقم کے نام سے سود کی رقم لوگوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے، جو ناجائز اور حرام ہے۔

اسی طرح پرائز بانڈز میں جوا بھی شامل ہے، ”جوا“ جسے عربی زبان میں ”قمار“ کہا جاتا ہے۔ درحقیقت ہر وہ معاملہ ہے، جس میں ”مخاطرہ ہو“، یعنی قمار کی حقیقت یہ ہے کہ ایسا معاملہ کیا جائے جو نفع و نقصان کے خطرے کی بنیاد پر ہو اور پرائز بانڈز کے حصہ داران زائد رقم وصول کرنے کی غرض سے رقم جمع کراتے ہیں، لیکن معاملہ قرعہ اندازی اور اس میں نام آنے پر مشروط ہونے کی وجہ سے یہ لوگ خطرے میں رہتے ہیں کہ زائد رقم ملے گی یا نہیں، اس سے واضح ہوا کہ پرائز بانڈز جوئے اور سود کا مجموعہ ہے، لہٰذا پرائز بانڈز کی خرید و فروخت کرنا اور اس سے ملنے والا انعام حاصل کرنا شریعت کی رو سے ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ اعلم

ZJ
NEW Zaiby Jewellers CLIFTON
DONT BE AFRAID TO
SHINE YOUR LIGHT
Scan now to visit us:
S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton, Karachi
Follow our socials:
NEWZAIBYJEWELLERS
Contact us:
021 35835455 - 021 35835488

اُمید پہ دنیا قائم ہے

رومان فاطمہ (آرایف)

دل کی شان دار ریاست کے بیچوں بیچ ایک خوب صورت جھونپڑا بنا ہوا تھا، جو فراخ دلی کا گھر تھا۔ اس مکان میں داخلے کے لیے سبھی کو اجازتِ عامہ حاصل تھی۔ یہاں صبر کا آنا جانا بھی عام تھا، حالاں کہ صبر ریاست کی وہ ہستی تھی جو ہر جگہ ہر کسی کو میسر نہیں آتا تھا۔ وہ ریاست میں سب سے زیادہ قابلِ احترام سمجھا جاتا تھا۔ اس کی دانائی ہر سو مشہور تھی، وہ جس کے پاس جاتا تھا، اس کا مرتبہ خود بخود بلندی کو چھونے لگتا تھا، کوئی اُسے لاکھ جھانسے میں ڈالے، مگر وہ اپنی مرضی کے مطابق چلتا تھا۔ کوئی لالچ اُسے اس کی جگہ سے ہلا نہیں سکتا تھا، لیکن صبر کی فراخ دلی کے ساتھ بڑی یاری تھی۔ دونوں جہاں ساتھ ہوتے، وہاں خوش حالی اور امن کا بول بالا ہوتا، فراخ دلی کے مکاں میں محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ محبت، اُمید، شفقت، سکون، اطمینان تو یہیں کئی کئی روز ڈیرہ جمائے رہتے۔ برداشت، احساس، اخلاق بھی اپنی شرکت کو یقینی بناتے تھے اور یہ سب مل کر ریاست کی خوب صورتی کو قائم رکھنے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔

دوسری طرف فراخ دلی کی سب سے بڑی حریف تنگ دلی اپنے من پسند ساتھی حسد کے ساتھ آئے روز ان کی بربادی کے حربے سوچتی رہتی تھی۔ وہ کسی بڑے نقصان سے اسے دوچار کرنا چاہتی تھی، تاکہ ہر طرف اُس کا راج ہو جائے۔ تنگ دلی نے حسد کے ساتھ مل کر اپنی خاصی اچھی ٹیم تیار کر لی تھی اور اس نے اپنی ٹیم میں چن چن کر کئی طاقت ور ساتھی تلاشے تھے، تاکہ دوسری طرف کے خاص عہدداروں کو پچھاڑ سکے۔ محبت و شفقت کے مقابل وہ نفرت کو تیار کر چکی تھی۔ اطمینان و سکون کے سامنے اُس نے بے چینی اور اُداسی کو رکھا تھا۔ اُمید کے میدان میں قدم اکھاڑنے کے لیے مایوسی کی صرف ایک لہر کافی ہو جانی تھی۔

احساس کو تو ویسے ہی ضمیر کو گونگا بہرہ کر کے راستے سے ہٹا دیا۔ اخلاق اپنے بھائی احساس کے بنا کوئی جنگ نہیں لڑ سکتا تھا، پیچھے رہ گئے صبر اور برداشت! ان دونوں کو بخیلی اور حسد سنبھالنا چاہتے تھے۔

فراخ دلی سے کئی بار وہ جنگ کر چکنے کا فیصلہ کرتی تھی، مگر ہر بار کچھ نا کچھ ایسا ہوتا تھا کہ اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا، لیکن اب کی بار ساری تیاریوں کے بعد وہ میدان میں اترے تھے۔ اس بار جنگ علانیہ نہیں کی گئی، کوئی منادی کوئی شرط کچھ نہیں، خاموشی سے یک طرفہ جنگ شروع کی گئی۔

سب سے پہلے اُداسی کو بھیجا گیا، وہ خاموشی سے دل میں جگہ بنانے لگی، جیسے ہی اس کے تھوڑے قدم جمے اُس نے مایوسی کو پیغام بھجوایا، یوں تھوڑے ہی دن میں مایوسی بھی آن پہنچی۔ دونوں نے مل کر سب سے پہلے اطمینان اور سکون کو راستے سے ہٹوانے کے پلان کامیاب بنائے، جیسے ہی اطمینان و سکون کی جگہ خالی دیکھی انھوں نے بے چینی کو بلوایا، ان تینوں نے مل کر تنگ دلی کے لیے راہیں ہموار کرنے کی تیاری کر دی۔

تنگ دلی اس طرح سے دل میں اپنا ٹھکانا بنانے لگی کہ کسی کو کانوں کان خبر نا ہوئی۔

تنگ دلی کے آنے کی دیر تھی بس کہ ریاست کی بنیادیں ہلنے لگیں، سب پریشانی سے گھبرائے، تبھی حسد سامنے آیا اور اعلانِ جنگ کر دیا۔ حسد کی طاقت آگ کی طرح پھیلنے لگی اور تباہی اپنا ناچ دکھانے لگ پڑی۔

سب سے پہلے مایوسی نے اُمید کو پہلے ہی وار میں ختم کر ڈالا۔

ضمیر کو بیدار کرنے کی کوشش میں لگا احساس بے ایمانی اور لالچ کے سامنے ٹک نہ سکا، احساس کا پتا کاٹنے کی دیر تھی کہ اخلاق نڈھال ہو کر گر پڑا۔ شفقت یہ سب دیکھ کر اپنی بہن محبت کا ہاتھ پکڑے ریاستِ دل سے بھاگتی چلی گئی۔ برداشت اور صبر نے آخری دَم تک میدان میں اپنے آپ کو منوایا، لیکن جیسے ہی انھوں نے فراخ دلی اور خوشی کو بھی محبت و شفقت کے پیچھے جاتے دیکھا، برداشت وہیں ختم ہو گئی اور صبر اکیلا کھڑا دیر تک سب کو تکتا رہا۔

کوئی اسے ہرا نہیں سکتا، یہ حریف بھی جانتے تھے، اس لیے اس کے جانے کا انتظار کرنے لگے۔ ہرایا تو محبت کو بھی نہیں جاسکتا تھا، مگر وہ لڑائی جھگڑوں سے ہمیشہ دور رہتی تھی، اس لیے وہ یہاں سے چلی گئی۔

پھر اچانک سے ہر سو اندھیرا چھانے لگا۔ دشمنوں نے دیکھا صبر آہستہ آہستہ غائب ہو رہا تھا، جیسے جیسے صبر کی قوت کم ہو رہی تھی، روشنی مدہم پڑتی جا رہی تھی۔

صبر اپنا وجود ڈھلتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کاش! کہ اس نے پہلے ہی دن اُداسی اور مایوسی کو اَن دیکھا نہ کیا ہوتا، وہ سمجھ گیا تھا ساری بربادی کی جڑ یہ دونوں ہی تھیں۔ اب دل کی حسین ریاست اور اس کے سارے رنگ ان منفی حریفوں کے گھیراؤ میں کالے اندھیرے کی سیاہی میں ڈوب چکے تھے۔ تنگ دلی اب تخت نشین ہو چکی تھی، اسے دیکھ کر حسد خوشی سے جھوم رہا تھا، وہ تنگ دلی پہ جی جان سے نثار رہتا تھا اور تنگ دلی بھی حسد پہ جان نچھاور کرتی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو مکمل کرتے تھے۔ تنگ دلی بادشاہت کا تاج پہنے حسد کے ساتھ کندھا ملائے کھڑی تھی اور اس کی باتوں کو سوچ کر مسکرا دیتی کہ حسد نے ٹھیک ہی تو کہا تھا: کبھی کبھی دل کو برباد کر دینے کے لیے صرف ایک چھوٹی سی چنگاری آگ کا کام دیتی ہے اور وہ چنگاری مایوسی کی لہر ہوتی ہے، جو پل بھر میں سب کچھ اُجاڑ کے رکھ دیتی ہے۔

حسد آگ کی بلا تھا، وہ سب کچھ آگ کر دینے سے خوش ہوتا تھا اور آگ کہاں اچھی ہوتی ہے، بس یہیں سے اچھائی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اگر اچھائی کو قائم رکھنا ہے تو اپنے دل کی اُداسی کا فوری علاج کریں، ورنہ اُداسی کی بہن مایوسی آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ یاد رکھیں! مایوسی کو سب سے زیادہ خوف اُمید سے آتا ہے تو آپ کو بس یہ یاد رکھنا ہے کہ آپ کو اپنی اُمید کبھی نہیں کھونے دینا، کیوں کہ "اُمید پہ دنیا قائم ہے۔"

مثالی صبر والی صحابیہ رضی اللہ عنہا

ندا اختر

عورت کی فطرت ہے کہ وہ ہر چیز سے بہت جلد متاثر ہوتی ہے۔ اسے غصہ بھی بہت جلد آتا ہے اور وہ نہایت جذباتی بھی ہوتی ہے، اپنے سامنے جو کچھ دیکھتی ہے اس سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے۔ بہت جلد صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے اور گھبراہٹ کا شکار ہو جاتی ہے، خاص کر اگر ارد گرد کا ماحول خون، لاشوں اور اِدھر اُدھر بکھرے انسانی اعضا سے پُر ہو تو یہ گھبراہٹ اور بڑھ جاتی ہے اور جذبات عقل کو اندھا کر دیتے ہیں۔ خاص طور پر ان لاشوں میں کوئی اُس کا اپنا بھی ہو، مگر۔۔۔آج ہم جس صحابیہ کی بات کر رہے ہیں، وہ ان عورتوں سے مختلف ہیں۔ وہ نہایت صابر اور اجر و ثواب کی طالب خواتین میں سے ہیں جو مشیتِ خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کر دیتی ہیں، جو خون دیکھ کر بوکھلا نہیں جاتیں اور نہ ہی لاشوں کا منظر ان کے ہوش و حواس گم کر دیتا ہے۔ آیئے ! اب تفصیل سے ان کا قصہ پڑھتے ہیں۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اُحد روانگی کے بعد خیر خیریت معلوم کرنے کے لیے ہم منہ اندھیرے ہی نکل پڑے۔ جیسے ہی صبح نمودار ہوئی ہم نے دیکھا کہ ایک آدمی تیزی سے دوڑتا ہوا یہ کہتا ہوا گزرا

رُک ذرا کہ لڑائی میں آجائے کچھ تیزی   وقت آجائے تو موت لگتی ہے کتنی پیاری

ہم نے جو غور سے دیکھا تو وہ اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے، پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم نے ایک اونٹ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، جس پر ایک عورت سوار تھی اور اس کے دونوں طرف دو گٹھڑیاں لدی ہوئی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم ان کے قریب گئے تو پتا چلا کہ وہ عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔ ہم نے ان سے کہا کیا خبر ہے؟ تو وہ بولیں: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرمائی اور مؤمنوں میں سے شہید چن لیے۔

وَرَدَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِغَیۡظِہِمۡ لَمۡ یَنَالُوۡا خَیۡرًا ؕ وَ کَفَی اللّٰہُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الۡقِتَالَ
وَکَانَ اللّٰہُ قَوِیًّا عَزِیۡزًا (الاحزاب: 25)

”اور جو کافر تھے ان کو خدا نے پھیر دیا، وہ اپنے غصے میں بھرے ہوئے تھے، کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے اور خدا مومنوں کو لڑائی کے بارے میں کافی ہوا اور خدا طاقت ور (اور) زبردست ہے۔“

پھر انھوں نے اپنے اونٹ کو بیٹھنے کا حکم دیا اور اس پر سے اتر پڑیں۔ ہم نے ان سے پوچھا: ”یہ تمہارے ساتھ کیا ہے؟“ تو وہ بولیں: ”میرا بھائی اور میرا شوہر۔۔۔ دونوں شہید ہو گئے۔“

کیا کوئی عورت ایسی صورتِ حال برداشت کر سکتی ہے؟ کیا کوئی بیوی ایسی بہادری اور محبت کا ثبوت پیش کر سکتی ہے؟ پہاڑوں جیسا صبر اور ایسی ہمت کہ مرد بھی جہاں بے بس ہو جائیں ! مگر وہ ایسی ہی تھیں۔ رضی اللہ تعالی عنہا

تحفہ حیات اور شکر گزاری

میمونہ عظیم

زندگی چاہے جیسی بھی گزر رہی ہو، یاد رہے ! یہ رب کا عظیم تحفہ ہے، جس کا مقصد آزمائش و ابتلا ہے، خواہ سرور سے پر ہو یا غموں سے چور، یہ حیات کا منظّم طریقہ رب کی جانب سے مقرر کردہ ہے۔ بندے کا کوئی حق نہیں کہ وہ ناشکری سے کام لیتے ہوئے شکوہ و شکایت زبان پر لائے۔ اسی طرح ناز و نعم، آرائش و عیاشی میں پلنے والا وجود بھی خود کو ان کا مستحق گردان کر عُجب، تکبّر و فخر میں مبتلا نہ ہو، بلکہ یہ بھی رب تعالیٰ کا انعام سمجھ کر ابتلا کی ایک کڑی سمجھے کہ آیا نفس کی بھینٹ چڑھ کر یا شیطان کے ہاتھوں شکست کھا کر اور عُجب پسندی میں مبتلا ہو کر رب کو بھلا دیتا ہے یا عبدیت کے مفہوم پر اتر کر نیاز مندی و عجز کی کیفیت میں رب کے سامنے سر خم کر دیتا ہے۔ شکر گزاری سے لبریز زندگی ہی عبدیت کے عین موافق ہے اور یہی اس حیات و ابتلا سے مقصود ہے۔

آج کل خود کشی بھی عام ہے، العیاذ باللہ ! اس سنگین حرام جرم کا ارتکاب کرنے والا گویا کہ رب کی نعمتِ عظیمہ کو ٹھکرا کر خود موت کو گلے لگاتا ہے۔ یہ ناشکری کی سب سے بڑی اور بدترین صورت ہونے کے ساتھ محرومیت کا ذریعہ بھی ہے، کیوں کہ بندۂ خدا پہلی فرصت میں ہی سپردِ خاک ہو جاتا ہے اور توبہ جیسی نعمت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

اللہ امتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائے، آمین !

مت بھولیں ! ناشکری زہر ہے۔ یہ بھی کفر کی ایک صورت ہے اور دیمک کی طرح ایک کیڑا ہے جو بقیہ نیک اعمال کو ہڑپ کر جاتا ہے، اسی کا ذکر میرے مالک نے یوں کیا ہے:

وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ اور میرے شکر گزار بندے تو بہت کم ہیں۔

ربِّ ذوالجلال نے حیات کو دینِ اسلام سے مزیّن کر کے اور خاتم النّبیین ﷺ کا امتی ہونے کا شرف عطا فرما کر چار چاند لگا دیے۔ دینِ اسلام اور شریعت سے جڑی زندگی اللہ جلّ شانہٗ کی ایسی نعمت ہے جو بِن مانگے عطا ہوئی ہے، اس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ یہ زندگی وہ تحفہ ہے جو کھونے کے بعد ہاتھ نہیں آئے گا، لازم سی بات ہے کہ ناقدروں کو قدر تب آئے گی، جب اس سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور وہ کڑا وقت کہ جب روزِ محشر اہلِ جنّت و اہلِ جہنّم کے مابین فیصلہ ہونے کے بعد حسرت و پچھتاوے کے مارے دوبارہ لوٹنے کے مطالبے کیے جائیں گے، مگر تب کیا فائدہ۔۔۔؟ جب کسی کی نہ سنی جائے گی اور نہ فدیوں کے بدلے عذاب کا تبادلہ ہو گا، نہ کسی کی سفارش اس کی چاہت کے موافق مقبول ہو گی۔

یاد رہے ! زندگی کوئی کھیل و تماشا نہیں کہ تنگ حالات و مشکلات کی زد میں آکر مرنے کی تمنّائیں کی جائیں یا تشدّد و خود کشی جیسے عظیم جرائم کا قصد پیدا ہونے لگے۔

دنیا میں آنے والوں کو ابتلا و آزمائش سے تو واسطہ پڑتا ہی ہے۔ اس پر آہ و زاری سے پرہیز ہی کرنا چاہیے۔

جہاں تک آخرت میں اور سوال ہونے ہیں، اس زندگی کا بھی ہونا ہے، لہٰذا ابھی سے اس نفیس جان کے حق میں منصفانہ فیصلہ کریں اور اپنی زندگی کو شکر گزاری سے مزیّن کر کے تحفۂ حیات کی لذّت سے مستفید ہوں۔

اس کہانی کا بہترین عنوان منتخب کیجیے اور تین سو روپے انعام حاصل کیجیے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 15 اکتوبر 2024 ہے۔ صفحہ 41 بھی دیکھیے

بلاعنوان

صبا ایشل

وسیع کمرے کے بیچوں بیچ خوب صورت مسہری رکھی تھی، جس کی پائنتی سے ٹیک لگائے ایک شاندار شخصیت کا حامل نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ نوجوان کی نگاہیں سامنے والی دیوار پر مصور کی تخلیق کردہ تصویر پر جمی تھیں۔ وہ خالی نگاہوں سے بظاہر تصویر کو دیکھ رہا تھا، لیکن دراصل اس کا دل و دماغ کہیں اور تھا۔ مسہری پر بچھی بے شکن چادر اس بات کی گواہ تھی کہ شب بھر کسی نے اس پر کمر ٹکانے کی زحمت نہیں کی۔ آنکھوں کی سوجن اور چہرے کی سرخ رنگت اس کے اندرونی کرب کی نشاندہی کر رہی تھیں۔ دسمبر کی ٹھرّا دینے والی سردی میں وہ بنا کسی لحاف اور سوئیٹر کے پچھلے کئی گھنٹوں سے اسی حالت میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونکے جا رہا تھا۔

کسی کی بھرّائی ہوئی آواز اسے بہت قریب سے سنائی دی۔

"میری بددعا ہے تمہارے دل کے خالی خانے میں صرف میرا نام گونجتا رہے۔" سوکھے پپڑی جمے ہونٹوں سے سسکاری نکلی تھی۔ اس نے جلتا سگریٹ ایش ٹرے میں بری طرح مسلا۔ یہ عمل اس کے اندر کی منتشر سوچوں کو ظاہر کر رہا تھا۔

"ہاہاہا! میرے دل میں کبھی کوئی خالی خانہ نہیں ہو سکتا۔ میں ہاشم صغیر احمد ہوں ناقابلِ تسخیر۔۔۔" بولنے والے کے لہجے میں غرور تھا اور انداز ایسا جیسے سامنے والے کو نیچا دکھانا چاہتا ہو۔

"دل خالی وہاں ہوتے ہیں، جہاں کسی کی کمی ہو، میں مکمل ہوں، سو فیصد مکمل!"

اس نے ایک بار پھر بات کا سرا وہیں سے جوڑا اور آخری تین لفظ زور دے کر ادا کیے تھے۔

کچھ یادیں تازہ ہو رہی تھیں، کچھ بھولے مناظر روشن ہو رہے تھے، سیپ میں موتی بن رہا تھا، سنبھل نہ سکا تو بے رنگ شفاف موتی سیپ سے لڑھک گیا۔ سیاہ گھنگھور آنکھوں میں گویا سیلاب آگیا تھا۔ بارش ٹپ ٹپ برسنے لگی۔

نوجوان اپنا ہاتھ سینے پر رکھ کر بائیں طرف کو مسلنے لگا۔ اچانک دل کے کسی حصے میں شدید درد اٹھا تھا، شاید کوئی خالی کونا درد سے بھر گیا تھا۔

تھکن سے چور بدن کو سمیٹتے وہ بڑی مشکل سے تپائی تک پہنچا اور گلاس کو حرکت دیے بنا جگ اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ شدید ٹھنڈا اور کپکپاتے وجود کے باوجود وہ جگ کا سارا پانی ایک ہی سانس میں پی گیا تھا، لیکن اندر آگ کی لپٹیں تھیں کہ بجھنے کا نام نا لے رہی تھیں۔ دو قدم آگے بڑھ کر قدِ آدم کھڑکی کا شیشہ وا کیا تو باہر کے کہر زدہ موسم کو اندر آنے کا راستہ مل گیا۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑا ہانپ رہا تھا، جیسے میلوں کا فاصلہ طے کر کے لوٹا ہو۔ سانسوں کے ساتھ منہ سے نکلنے والا دھواں اور صبح کی گہری دھند مل کر کچھ تخلیق کر رہی تھیں۔

اب دھند پر وہ منظر حاوی ہو گیا تھا۔

چمکتی سیاہ بڑی آنسوؤں میں ڈوبی آنکھوں کا منظر جن سے قطرہ قطرہ بہتے آنسو موتیوں کی بکھری لڑی کی مانند ادھر ادھر پھسلتے جا رہے تھے۔

❖❖❖

بچپن سے لے کر بڑھاپے تک ان گنت خواہشات ان جانے میں ہماری محرومیاں بن جاتی ہیں۔ چہرے خوابوں میں بدل جاتے ہیں۔ ہر محرومی دل میں اپنا ایک الگ گوشہ بنا کر ڈیرہ جما لیتی ہے۔ مختلف اوقات میں بہلا پھسلا کر سلائی گئی خواہشات جب اچانک سے آنکھیں کھول لیں تو ہر خواہش دل میں اپنے نام کا ایک خالی خانہ بنا لیتی ہے۔ کچھ لوگ ان خالی خانوں کی حقیقت جان کر نظر انداز کر دیتے ہیں تو کچھ ان خالی خانوں کو متبادل سے بھرنے کی کوشش کرتے ہیں اور تیسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں، جن کو اپنی ذات پر بے انتہا مان ہوتا ہے، اتنا کہ وہ کسی اور سے متاثر ہو جائیں، اس خیال کی توان کی سوچوں تک رسائی بھی ممکن نہیں ہوتی۔ دوسروں کو مسخّر کرتے کرتے ان میں غرور و تکبر کے مادے کی زیادتی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ صرف "میں" کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے نزدیک ان کی ذات میں کسی بھی قسم کی کوئی خالی جگہ باقی نہیں ہوتی۔

وہ بھی ایک ایسا ہی شخص تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ناقابلِ تسخیر ہے۔ اس کے اعصاب اتنے مضبوط تھے کہ ماں کے مرنے پر اس کی آنکھ سے ایک آنسو تک نہ نکلا تھا۔ وہ خود کو سب سے برتر سمجھتا تھا۔ کرب، درد، رنج اور ملال جیسے الفاظ جو دکھ جیسے جذبے کے لیے استعمال ہوتے تھے، اس نے اپنی زندگی کی لغت سے نکال باہر کیے تھے۔ جوانی اس پر غضب کی آئی تھی۔ اس کی شخصیت میں سحر تھا، جو دیکھتا متاثر ہوئے بنا رہ نہ سکتا تھا۔ اپنی شخصیت کا اس نے جی بھر کر فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ خود کو ایسی سرسبز و شاداب وادی سمجھتا تھا، جہاں پورا سال بہار اودے، کاسنی، گلابی، پیلے، سرخ و سفید پھول لیے ہر طرف خوشبو بکھیرتی رہتی ہے۔ تعلیمی سفر کے دوران بہت سی رنگین تتلیاں اس کے آس پاس منڈلاتی رہیں اور اس نے ان پر اپنی خوب صورتی اور جوانی کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے ایک ایک کر کے ان گنت تتلیوں کے رنگوں کی چمک ماند کی تھی، ان کے پروں کو پیروں تلے مسلا تھا۔ ہر نئے دن ایک جیسے رنگ ڈھنگ، لیکن نئے نام کی تتلیوں سے کھیلتا اب وہ اکتا رہا تھا۔ یوں ہی ایک دن اس نے بہت سے چہروں کے

درمیان اس کو دیکھا۔ گندمی رنگت، دل کش نقوش لیکن حسین آنکھوں میں اس کے لیے نفرت ہلکورے مار رہی تھی، وہ حیران ہوا۔ ہاشم صغیر سے کوئی نفرت کرے یہ بھلا کیسے ممکن تھا۔۔۔؟

انسان خواہشات کا پتلا ہے۔ یہ مل گیا اچھا ہے پر وہ!

وہ اس سے زیادہ خوب صورت

اور وہ والا! وہ تو دونوں سے زیادہ شاندار۔۔۔

جو مل جائے وہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو، سستا ہی ہے، جو نہ مل سکا وہ خواہ عام ہی ہو، اس کو دسترس میں لانے کے لیے کوشش ضرور کی جاتی ہے اور یہی اس کے ساتھ ہوا۔

ساحر سحر میں مبتلا ہو گیا، ناقابلِ تسخیر آخر تسخیر ہو گیا تھا۔ وہ بدل رہا تھا۔ مستی اور اداؤں والی اپسرائیں اب اس کو متاثر نہیں کرتی تھیں۔ اسے علم ہی نہ ہوا وہ کب پھولوں، جگنوؤں اور موسم کی باتیں کرنے لگا۔ اس نے وہ سب کیا جس سے وہ اس ایک سلونی لڑکی کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھ سکتا۔

قطرہ قطرہ پانی برستا رہے تو پتھر میں سوراخ ہو جاتا ہے، یہاں تو جیتا جاگتا، سانس لیتا موم وجود تھا۔ پہلے شناسائی پھر دوستی اور دوستی بڑھتے بڑھتے قربت میں بدل گئی تھی۔ نفرت ایسے چھپ گئی جیسے کبھی ظاہر ہی نہ ہوئی تھی۔

ذو معنی باتیں ہونے لگیں۔

ڈھکے چھپے الفاظ میں عہد و پیمان ہوتے رہتے۔

لب خاموش ہوتے تو آنکھوں ہی آنکھوں میں گفتگو ہوتی۔

کبھی جو غلطی سے ہاتھ سے ہاتھ ٹکرا جاتے تو ایک ثانیے کو دھڑکن رک سی جاتی۔ دل ایک نئی لے پر دھڑکنے لگا تھا۔

ساری رات سپنے بُنتے گذر جاتی، لفظوں کا سہارا کون لیتا معنی خیز خاموشیاں اظہار کے لمحات پیدا کرتیں۔

وہ جانتی تھی، اس کا محبوب انا پرست تھا، خود سے کبھی پہل نہ کرے گا۔ گھر میں تعلیمی سفر کے اختتام کے بعد اس کی ڈولی اٹھانے کی باتیں ہونے لگیں تو اس نے اظہار کرنے کا سوچ لیا۔

”پڑھائی کے بعد کیا کرو گے۔“ اس نے بات کا آغاز کیا۔

”مجھے کیا کرنا ہے، ابا کا جما جمایا کاروبار ہے۔ سات نسلیں بھی گھر بیٹھے کھاتی رہیں تو کم نہیں ہونے والا۔“

ایک ہاتھ ذرا اوپر کر کے اس نے درخت کے چند پتے توڑے اور ان کو توڑ توڑ کر پھینکنے لگا۔

”اور شادی کے بارے میں کیا سوچا؟ کب کرنی ہے؟“

آج پہلی بار اس موضوع پر بات ہونے لگی تھی۔ نینوں میں جذبات کا گہرا سمندر موجزن ہو گیا۔ دونوں چلتے چلتے پارک کی سنگی کرسیوں پر آ بیٹھے تھے۔

”شادی میری ترجیح کبھی نہیں رہی، کچھ سال تو بالکل نہیں کرنی۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“

وہ اس کی کہانیاں سناتی آنکھوں کو بغور دیکھتے بظاہر انجان بن کر پوچھ رہا تھا۔

”اس لیے کہ میرے گھر والے میری شادی جلدی کرنا چاہ رہے ہیں۔“ وہ ہولے سے بولی۔

”اچھا! یہ تو خوشی کی بات ہے۔ ویسے تمہاری شادی کا میری شادی سے کیا تعلق؟“

اس خوب صورت شخص کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تو گندمی رنگت والی لڑکی کے تمتماتے گالوں کی چمک اچانک ماند ہو گئی۔ مسکراتے لب ایک پل کو سکڑے اور پھر حیرانی سے کھل کر رہ گئے۔ آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ وہ محبت کے پیچھے چھپے سارے کھیل کو سمجھ گئی تھی۔

سیاہ گھنی باڑ کے پیچھے ایک تارا ٹمٹمایا تھا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ لفظوں کی وادیوں کے سارے حرف بے معنی ہو گئے تھے، کہنے کو کچھ نہ تھا، پھر کپکپاتے لب کھلے۔

”میری دعا ہے تمہارے دل کے خالی خانے میں صرف میرا نام گونجتا رہے۔“

”ہاہاہا! میرے دل میں کبھی کوئی خالی خانہ نہیں ہو سکتا۔ میں ہاشم صغیر احمد ہوں ناقابلِ تسخیر۔۔۔“

”دل خالی وہاں ہوتے ہیں جہاں کسی کی کمی ہو، میں مکمل ہوں، سو فیصد مکمل!“

کسی انہونی کے انتظار میں اس کی طرف دیکھتے اس سانولی سلونی لڑکی اب اپنا ضبط کھو رہی تھی۔

ٹمٹماتا تارا باڑ کی قید سے آزاد ہو کر ٹوٹ کر گرا تھا اور اس کے بعد ایک کر کے سینکڑوں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہے۔ وہ فاتحانہ انداز میں اس کو ہارتا دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

طوفان تھا تو وہ چلی گئی تھی، کبھی نہ واپس آنے کے لیے۔۔۔

محبت کے رنگ برنگے دھاگوں نے اس کو اپنے جال میں بری طرح جکڑ لیا تھا۔ اس کا خالص وجود اتنا بڑا دھوکا برداشت نہ کر سکا، اسی رات اس نے آخری ہچکی لی، وہ کہانی میں امر ہو گئی۔

اس کا پور پور دکھ رہا تھا۔

کسی پرانے کپڑے کی طرح بظاہر وہ مضبوط نظر آ رہا تھا، لیکن اندر سے ایک ایک ریشہ دھجیوں کی طرح چھج رہا تھا۔ زہریلی یادوں کی پٹاری کسی ناگ کی مانند اسے سالوں سے ڈس رہی تھی۔

آج تو تکلیف اور بھی زیادہ تھی، آج سے کئی سال پہلے اسی دن کسی نے اسے اس کے دل کے خالی خانے پر اپنا نام گونجنے کی بد دعا دی تھی۔

وہ ماضی میں لوگوں کے دل میں بنائے اپنے نام کے خانے گن رہا تھا، جن کو بنا کر وہ بھول گیا تھا۔

نازلین، ثمینہ اس سے پہلے نگین اور عاشی۔۔۔

اور پھر اپنے دل کے خالی خانے دیکھتا، ہر خانہ اپنے نام کے ساتھ موجود تھا۔ اس نے اپنے اندر جھانکا چھوٹے چھوٹے دانوں سے بھرے خانوں میں ایسی تکلیف تھی، جیسے سینکڑوں سوئیاں چبھ رہی ہوں۔

جملہ پھر سے گونجا تھا۔

وہ اپنا ہاتھ زور سے سینے پر مسلنے لگا، جہاں موجود خالی خانے اس کے وجود کو سناٹوں سے بھر رہے تھے۔

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

سستی روٹی پراجیکٹ

لاکھوں روٹیاں مستحقین تک

5 روپیہ صرف عزت نفس کی خاطر

سپر فائن آٹا براہ راست بیت السلام ویئر ہاؤس بھی پہنچا سکتے ہیں کم سے کم 50 کلو

رونقِ زیست

لائبہ عبدالستار

"داداجان! آج اتوار ہے، آپ نے کہا تھا کہ آپ چڑیا گھر لے کر جائیں گے، آپ کو یاد ہے نااااا؟" حمزہ نے گھر کے باہر باغیچے میں چہل قدمی کرتے داداجان کو یاد دلایا۔

"دیکھیں دادو! ہم ضرور جائیں گے اور کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔" بارہ سالہ حارث لاڈ سے بولا۔

"فرداً فرداً پوری ٹیم داداجی کے سامنے کھڑی ہو رہی تھی۔"

"اور ہم واپسی پر آئس کریم بھی کھائیں گے دادو جان!" سات سالہ مَروہ نے فرمائش کی۔

دو سالہ ہالہ اور خولہ جو کہ جڑواں بہنیں تھی، دوڑتی داداجان کی گود میں بیٹھ گئیں کہ ہمیں بھی جانا ہے۔

"دادو! آپ کچھ بول کیوں نہیں رہے؟" نویلہ کب سے جواب کی منتظر تھی، بالآخر بول پڑی۔

"میرے لاڈلے بچو! پہلے میں آپ لوگوں کی فرمائشیں تو سن لوں، پھر جواب بھی دے دوں گا۔" داداجان محبت سے بولے تھے۔ شور سن کر برابر والے بنگلے کے شیخ شاہ جہاں بھی باہر آگئے اور حسرت سے بچوں کی داداجان سے بے تکلفی دیکھنے لگے۔ داداجان نے وین نکالی اور سب بچے ہنسی خوشی گھومنے نکل گئے۔

داداجان کے کل نو بچے ہیں، جن میں تین بیٹیاں اور چھ بیٹے ہیں۔ داداجان نے سب کو حافظِ قرآن بنایا، اس کے ساتھ ساتھ دو بڑے بیٹے شاہد، زاہد کاروبار کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ تیسرا عمران ہے جو کہ ڈاکٹر ہے اور پھر زبیر انجینئر ہے، پانچواں عابد اور چھٹا شہزاد ماشاءاللہ سے دونوں عالم ہیں اور سب بچے خیر سے شادی شدہ ہیں۔ سب اکٹھے رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ نے سب کو اولاد کی نعمت سے نوازا ہے۔

کل چھ بیٹوں کے بچوں کی تعداد پچیس ہے اور اللہ کی طرف سے ہر بچے کے نصیب سے دولت کی خوب ریل پیل ہے۔

ہر بچہ ذہین اور محنتی بھی ہے اور ان سب کی کامیابیوں کے پیچھے داداجان کا ہاتھ ہے۔

گھوم پھر کر بچے خوب تھک گئے اور گھر آکر خوابِ خرگوش کے مزے لینے لگے۔ اگلے روز شام پانچ بجے ایک بار پھر سب گھر کے باہر باری باری باغیچے میں داخل ہو رہے تھے، مگر آج فرمائش نہیں بلکہ سب کے کندھوں پر ایک عدد بستہ موجود تھا۔

"داداجان! مجھے ہوم ورک کروادیں۔"

"دادو! مجھے ریاضی کے سوالات سمجھادیں۔"

"دادو جان! کل میرا ابھی ٹیسٹ ہے۔"

"دادو جی۔۔۔؟"

"جی جی، سب کو سن رہا ہوں بھئی! آپ سب تو ایک ساتھ شروع ہو گئے، مجھے بھی تو بولنے کا موقع دیں۔ چلو آؤ! بیٹھو سب اور ڈائری دکھاؤ مجھے۔۔۔" آج پھر چہل پہل اور شور و غل نے شیخ شاہ جہاں کو گھر کے سناٹے سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ آج پھر وہ حسرت بھری نگاہوں سے اس رونق کو دیکھ رہے تھے۔

شیخ شاہ جہاں کا ایک ہی بیٹا ہے جو کہ ڈاکٹر ہے، جبکہ ان کی بہو بھی ڈاکٹر ہیں۔ بیٹا بہو دونوں تقریباً ہاسپٹل میں ہوتے ہیں۔ دونوں کو اولاد میں کوئی دلچسپی نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے اکلوتے بیٹے شارق کی پرورش آیا خاتون نے کی اور اب شارق میڈیکل پڑھنے ملک سے باہر جا چکا ہے۔

پیچھے شیخ شاہ جہاں تنِ تنہا اپنی مرحوم زوجہ کی یاد دل میں لیے وسیع و عریض بنگلے میں رہائش پذیر ہیں۔ کھانے پینے، خیال رکھنے کے لیے دو نوکر دو ماسیاں اور باغیچے کے لیے ایک مالی موجود ہے۔ روزانہ شام کو اپنے باغیچے میں بیٹھے پڑوس کے محمد نصیر پاشا اور ان کے پوتے پوتیوں کی نوک جھونک کو حسرت سے دیکھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں، بوقتِ اذان ایک تکلیف بھرا کاش دل میں سموئے مسجد کو روانہ ہو جاتے ہیں۔

آج پھر داداجان کے باغیچے میں خوب رونق لگی تھی۔ شیخ شاہ جہاں بڑی سوچ بچار کے بعد ہمت کر کے باہر نکلے اور داداجان کے باغیچے میں قدم رکھنے لگے۔

"السلام علیکم! کیا میں آپ کے ساتھ کچھ وقت گزار سکتا ہوں؟" شیخ شاہ جہاں کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"وعلیکم السلام، آیئے آیئے، خوش آمدید! بہت خوشی ہوئی آپ کو یہاں دیکھ کر۔" دونوں باغیچے میں بنی لکڑی کی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"آپ کا اسمِ گرامی جان سکتا ہوں؟"

"جی میرا نام شاہ جہاں ہے، سب مجھے شیخ شاہ جہاں کہتے ہیں۔۔۔"

"بہت خوب اور میرا نام محمد نصیر پاشا ہے۔"

"جی اچھا۔۔۔ آپ کے گھر کی رونقیں دیکھ کر بڑا حیران ہوتا ہوں، آپ اتنی بڑی فیملی میں کیسے سکون سے رہتے ہیں؟" دورانِ گفتگو شیخ شاہ جہاں نے دل کی بات بھی کر دی۔

"شیخ صاحب! عجیب بات کرتے ہیں، یہ پوری فیملی میری اولاد ہے، بھلا کیسے سکون سے نہیں رہوں گا؟" داداجان نے حیرانی سے جواب دیا۔

"کیا آپ کو مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا؟ ظاہر ہے جوائنٹ فیملی میں جھگڑے بھی ہوتے ہیں اور پھر بڑے خاندان کے لیے روزگار کی فکر بھی رہتی ہے؟" شاہ جہاں صاحب نے پھر سے اپنی الجھن ظاہر کی۔

"سب سے پہلے آپ مجھے دیکھیے میں کہیں سے آپ کو پریشان لگتا ہوں؟" آپ اکثر مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، کبھی آپ نے مجھ میں چڑچڑاپن محسوس کیا ہو؟ یا آپ کبھی مجھے کسی بچے کو ڈانٹتے، غصہ کرتے ہوئے دیکھا ہو؟

"یقیناً ایسا نہیں ہے، ایک تنہا رہنے والے بندے کی نسبت آپ مجھے خوش مزاج اور فٹ پائیں گے اور یہی حال میرے بچوں کا ہے، پھر میرے پوتے، پوتیوں کے سلجھے مزاج سے بھی آپ بخوبی واقف ہوں گے؟"

"جی بالکل! میں حیران ہوں کہ آپ سب اتنے خوش باش کیسے ہیں، آخر اس کا راز کیا ہے؟ جہاں تک میرا خیال ہے، فیملی کے مسائل میں انسان ڈپریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔۔۔" شاہ جہاں صاحب نے اپنی رائے پیش کی۔

"شاہ جہاں صاحب! میرا خیال تو یہ ہے کہ تنہائی انسان کو ڈپریشن تک لے جاتی ہے، کیوں کہ تنہائی میں آپ زیادہ تر وقت سوچنے میں گزار دیتے ہیں، جبکہ فیملی کی مشغولیت میں آپ فضول سوچنے سے بچے رہتے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ مسائل ہر گھر میں ہوتے ہیں، مگر ان مسائل کو خوب صورت طریقے سے حل کرنا بھی ایک فن ہے۔ ہر بندہ ذاتی رائے کا حق بھی رکھتا ہے اور ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے کچھ اختلافات بھی بجا ہیں۔ اور جہاں تک روزگار کی بات ہے

بقیہ 25 صفحہ پر

راہِ اعتدال

تنزیلہ یوسف

قرآنِ کریم میں اِرشادِ ربّانی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ

”مرد نگران ہیں عورتوں پر اس لیے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لیے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے۔“ (النساء: 37)

قوام کے لفظی معنی نگران/نگہبان/خیال رکھنے والا، کے ہیں یعنی ایسا شخص نگران/نگہبانی/خیال رکھنے کے فرائض کو بخوبی نبھانا جانتا بھی ہو، اپنی ذمے داریوں سے بخوبی عہدہ برآ ہونا بھی جانتا ہو۔ ان فرائض میں گھر کی چار دیواری میں رکھ کر خواتین کی مالی، جسمانی، جذباتی اور نفسیاتی ضروریات کا پورا کیا جانا شامل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک فرض پورا تو ہو، لیکن باقی فرائض سے پہلو تہی برتی جائے۔ یہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ مال یا اموال کے ذریعے ہی پورے کیے جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح عورت کا اصل مقام گھر کی چار دیواری میں ہے۔ لفظ ’عورت‘ عورۃ سے نکلا ہے، جس کے معنی چھُپی ہوئی چیز کے ہیں۔

ایک مومن عورت بالکل اسی طرح قیمتی ہوتی ہے، جیسے سیپ میں چھپا ہوا موتی۔ سیپ کے باہر جو کچھ بھی ہو اُس سے سیپ کی اہمیت کو فرق نہیں پڑتا نہ ہی جوہری کی نظر میں اس سے سیپ کی قدر و قیمت میں کوئی کمی آتی ہے۔ وہ اسی طرح قیمتی رہے گا۔ بالکل اسی طرح مومن عورت پر فرض ہے کہ خود کو سیپ میں چھُپے موتی کی طرح بیش قیمت جانتے ہوئے اعتدال کی راہ اپناتے ہوئے اللہ رب العزت کے بتائے گئے احکام پورے کرے۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا (النساء: 1)

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، یعنی اوّل اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیے اور اللہ سے ڈرو، جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو اور قطع رحمی سے بچو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ بد قسمتی سے ہم ایک ایسے معاشرے میں جی رہے ہیں، جہاں اعتدال کی بجائے شدّت پسندی یعنی افراط و تفریط کی رَوِش اپنانے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں کے ساتھ کئی سو سال تک رہنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم معاشرے کے پروردہ ہونے کے باوجود سوچ میں آج بھی وہی شدّت پسندی باقی ہے، جو غیر مسلم معاشرے کی طرزِ بودوباش ہے، جہاں خواتین کے حقوق کی پامالی، انھیں تیسرے درجے کی مخلوق گردانا جانا اور مانا جاتا ہے، جہاں عورت کا باپ، بھائی، شوہر، بیٹے کی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، نیز انھیں کسی بھی معاملے میں رائے لینے کے قابل نہیں سمجھا جاتا۔ بد قسمتی سے ہمارے بزرگ تقسیم کے وقت وراثت میں مذکورہ معاشرتی سوچ ہم راہ لیے آزاد وطن میں چلے آئے۔ یوں آزاد وطن میں غلامانہ سوچ لیے نسلیں پروان چڑھیں۔

حق مانگنا ناقابلِ معافی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ خون کے رشتے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ معاشرے کی تعمیر و ترقی میں خواتین سے ان کی صلاحیتوں کے مطابق استفادہ نہ کیا جانا، سوچ کی ان شدّت پسندیوں نے معاشرے پر کیا کیا اثراتِ بد مرتب کیے؟ انھیں احاطۂ تحریر میں لایا جائے تو خدشہ اس بات کا ہے کہ تحریر کے اصل موضوع سے توجہ ہٹ جائے گی۔ مختصراً یہ کہ ایسی نسل تیار ہوئی، جس کی سوچ میں حالات سے فرار، سسٹم سے بغاوت نے جنم لیا۔ یوں ہم ایک انتہا سے نکل کر دوسری انتہا میں داخل ہو گئے۔ بقول شاعر

محبت ہو کہ نفرت ہو، بھرا رہتا ہوں شدّت سے

کسی بھی قسم کے معاملات کو لے لیجیے، شدّت پسندی ہماری اجتماعی سوچ بن چکی ہے۔ گھریلو معاملات ہوں یا ورکنگ پبلک پلیس، انفرادی سوچ میں عقل کل، دوسرے فاترالعقل۔ میانہ روی کس چڑیا کا نام ہے؟ ہم جاننا ہی نہیں چاہتے یا شاید مِن حیث القوم ہم مفاد پرست بن چکے ہیں۔

بظاہر ہماری درس گاہوں میں پرسنل اسپیس، ٹیم ورک کے اسباق رٹوائے جاتے ہیں، لیکن درحقیقت ”میرا کام پہلے دوسرے بعد میں“ ایسی سوچ کے حامل افراد کی اس عادتِ بد کو معمولی جانتے ہوئے ہنس کر یوں ہی ٹال دیا جاتا ہے یا پھر یہ کہہ کر دامن بچا لیا جاتا ہے کہ ”اپنی عزت اپنے ہاتھ“ خود غرضی، موقع و مفاد پرستی، کام چوری، یہ سب وہ بد عنوانیاں ہیں، جن پر بظاہر ثبوت نہ ہونے کی بنا پر بازپُرس نہیں ہوتی، لیکن روحانیت کو کم زور کرنے میں بڑی مستعدّی سے مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ مریض کا مرض لاعلاج ہو جاتا ہے، بالکل ایسے ہی جیسے کینسر کا مرض آخری اسٹیج پر پہنچ کر قابلِ علاج نہیں رہتا۔

آج ہمارا وہ حال ہو گیا ہے کہ برائی کو برا جانتے بھی ہیں، لیکن تدارک کی غرض سے پہلا قدم اٹھانا بھی نہیں چاہتے۔ مرض کو مانتے بھی ہیں، لیکن علاج کو تیار بھی نہیں ہوتے۔

قرآنِ کریم کی سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر 108 میں آتا ہے: وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

”جو لوگ ان چیزوں میں بخل کرتے ہیں جو انھیں اللہ نے اپنے فضل سے دی ہیں، وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ وہ ان کے حق میں بہت برا ہے۔ عن قریب ان کے گلے میں قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ڈالا جائے گا، جس کے ساتھ وہ بخل کرتے تھے۔“

اللہ کے فضل سے مال کی فراوانی ہی مراد نہیں، بلکہ ہر وہ صلاحیت جو اللہ نے اپنے بندے کو ودیعت کی ہے، اسے اپنی ذات تک محدود رکھنا، کوئی رہ نمائی کی غرض سے سوالی ہو تو اسے اپنا علم دینے میں متامل ہونا، یہ بھی بخل میں ہی آتا ہے اور بخیل پر جس عذاب کی وعید ہے، وہ اوپر بیان کردہ آیت کے ترجمے سے واضح ہے۔

جیسے بخل پر عذاب کی وعید ہے، بالکل اسی طرح اسراف کی بھی ممانعت ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ ربّانی ہے: وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (الانعام: 141)

”بے جا نہ خرچ کرو، بے شک بے جا خرچ کرنے والے اسے (اللہ کو) پسند نہیں۔“ مذکورہ آیت کو اگر سماجی رویوں پر لاگو کیا جائے تو اعتدال کی جانب نشان دہی کرتی ہے، یعنی کسی بھی قسم کے افراط یا تفریط کی گنجائش دین میں نہیں ملتی۔ راہ اپنانے کو صرف اعتدال کی ہے۔ معاشرت میں، سماجی معاملات میں، دینی فرائض کی ادائی میں، غرض ہر پہلو میانہ روی کا درس دیتا ہے۔ ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ اعتدال پسندانہ رویوں کو فروغ دیا جائے۔ میانہ روی اپنانے والوں

کی حوصلہ شکنی کے بجائے حوصلہ افزائی کی جائے۔
دینِ اسلام ایک ایسا دین ہے جو بالکل انسانی فطرت کے مطابق ہے، اِسی لیے اعتدال و میانہ روی کا حکم دیتا ہے، عبادت میں بھی اور دیگر معاملات میں بھی۔ عبادت میں میانہ روی کی مثال یہ حدیثِ مبارکہ ہے۔
اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "رسولِ اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف فرما تھے۔ ایک خاتون ان کے پاس سے گزری۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تاج دارِ رسالت ﷺ سے عرض کیا کہ ان کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ یہ رات بھر نہیں سوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ رات بھر نہیں سوتیں! اتنا عمل کیا کرو، جتنا آسانی سے کر سکو۔ اللہ نہیں اکتائے گا، تم اکتا جاؤ گے۔" دینِ اسلام کی یہ نمایاں خصوصیت ہے، جو اس کو تمام ادیان سے ممتاز بناتی ہے تو لازمی طور پر امتِ مسلمہ کی خصوصیت بھی یہی ہو گی کہ وہ عدل و اعتدال سے متصف اور افراط و تفریط سے مبرّا ہے۔
اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرۃ: 143)
"اور اسی طرح ہم نے تمھیں بہترین امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں۔"
امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے: "میں سمجھتا ہوں کہ اللہ نے اس امت کو "امتِ وسط" کا خطاب اس لیے دیا کہ وہ دین میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ نہ تو ان کے یہاں نصاریٰ جیسا غلو ہے، جنھوں نے رہبانیت کی دعوت دی اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انتہا پسندی پر مبنی باتیں کہیں اور نہ یہودیوں جیسی کوتاہیوں اور مجرمانہ حرکتوں کا تصور ہے کہ اللہ کی کتاب میں تبدیلی پیدا کر ڈالی، انبیا کا قتل کیا، اپنے رب پر جھوٹ باندھا اور اس کے ساتھ کفر اختیار کیا؛ لہٰذا اللہ نے اس امت کا یہ وصف اس لیے بیان کیا کہ اللہ کو اعتدال و میانہ روی پسند ہے۔" حدیثِ پاک میں عبادت میں میانہ روی نہ کرنے کا نتیجہ اکتاہٹ بتایا گیا ہے۔
اگر دنیاوی معاملات میں اعتدال نہ ہو تو دنیا کا نظام نہ چل سکے۔ معاملات میں اعتدال یا میانہ روی کی مثال یوں لیجیے کہ ایک ڈرائیور سڑک پر گاڑی چلا رہا ہے۔ اگر وہ اسپیڈ بڑھائے گا تو تیز رفتاری کی وجہ سے حادثہ ہونے کا خدشہ تو ہو گا ہی وہیں اوور اسپیڈنگ سے ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کا جرم بھی سرزد ہو گا۔ یہی ڈرائیور اگر بہت دھیمی رفتار سے گاڑی چلائے گا تو پیچھے آنے والی گاڑیوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ڈرائیور اعتدال کو اپناتے ہوئے گاڑی چلائے گا تو کبھی بھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور نہ ہی اُس کی وجہ سے کوئی ناحق مشکل میں پڑے گا۔ زندگی کے معاملات بھی اسی طرح ہیں، اعتدال پسندی کے متقاضی! اللہ ہم سب کو دینی و دنیاوی معاملات میں اعتدال کی راہ اپنانے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین!

بقیہ

رونقِ زیست

تو ہر بندہ اپنا رزق اس دنیا میں لے کر آتا ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ بندے کی روزی کا اللہ نے ذمہ لیا ہوا ہے تو پھر ٹینشن کس بات کی بھلا!"
"السلام علیکم!" حارث نے چائے کی ٹرے تھامے سلام کیا۔
"وعلیکم السلام بیٹا! ارے نصیر بھائی، آپ نے یہ تکلف کیوں کیا؟ میں تو بس آپ سے ملنے آیا تھا"
"آپ پہلی بار ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں تو آپ کا اکرام تو بنتا ہے نا بھئی!" دادا جان نے چائے کی ٹرے تھامی جس میں بسکٹ اور نمکو جیسے لوازمات بھی تھے۔
"دادو! مہمان نوازی سنت ہے نا!؟" دادا جان کی بات سن کر چھ سالہ معاذ بولا۔
"جی بالکل بیٹا۔۔۔!" تصدیقی جواب سن کر وہ دوڑتا ہوا غائب ہو گیا۔
"ماشاء اللہ! خوب تربیت کی ہے آپ نے بچوں کی۔۔۔"
"بس یہ سب اللہ کی توفیق سے ہے جی!"
"دادا جان ماما کہہ رہی ہیں انکل کے لیے کھانا تیار ہے کھا کر جائیں۔"
"جی بہت اچھا۔۔۔" دادا جان نے جواب دیا۔
"نہیں بھائی آپ مزید تکلف نہ کیجیے، گھر پر ملازمہ نے کھانا تیار کر رکھا ہے۔"
"کوئی بات نہیں، آج آپ ہمارے ساتھ بھی کھا لیں، ویسے آپ نے مجھے اپنے بارے میں نہیں بتایا، آپ کے گھر میں کل کتنے افراد ہیں؟" دادا جان نے استفسار کیا۔
"جی میرا ایک بیٹا اور ایک پوتا ہے۔" شیخ شاہ جہاں نے نم آنکھوں سے جواب دیا۔
"اچھا، ماشاء اللہ! چلیں اچھی بات ہے، آپ اکیلے نہیں ہیں۔"
"جی، میں تقریباً اکیلا ہی رہتا ہوں۔ میرا بیٹا ڈاکٹر ہے تو اکثر ہاسپٹل میں رہتا ہے، بہو بھی ڈاکٹر ہونے کی بنا پر اس کے ساتھ ہی ہوتی ہے، جبکہ پوتا تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر ہے۔۔۔"
"اچھا!! اچھا!!" دادا جان نے شاہ جہاں کی آنکھوں میں واضح نمی کو محسوس کیا، انھیں سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کیا کہیں، انھیں دلاسہ دیں یا افسوس کریں۔۔۔
"میں ایک ریٹائرڈ فوجی ہوں ہمارے خاندان میں زیادہ تر آپ کو میرے جیسے تنہا بوڑھے ملیں گے جن کے ایک یا زیادہ سے زیادہ دو بچے ہیں اور آج وہ اکیلے زندگی گزار رہے ہیں۔"
"مگر ایسا کیوں ہے شاہ جہاں صاحب؟" دادا جان نے دکھ بھرے لہجے میں پوچھا۔
میں نے جو آپ سے سوالات کیے، ان سے آپ کو اندازہ تو ہو ہی گیا ہو گا کہ میرا خاندان کس سوچ کا حامل ہے، ہم بچوں کو بوجھ اور بے سکونی سمجھتے ہیں، جبکہ عمر کی اس دہلیز پر آ کر مجھے معلوم ہوا کہ بچے تو سکون ہوتے ہیں اور اپنی معصومیت بھری حرکات سے ٹینشن کا بوجھ اتارنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
اس عمر میں سب سے زیادہ ساتھ کی ضرورت ہوتی ہے، زوجہ بھی چل بسیں اور بچے بھی اپنی زندگی میں مگن ہو گئے۔ شاہ جہاں صاحب خلا میں گھورتے ہوئے بتا رہے تھے۔ شاہ جہاں صاحب بچے تو ہماری کھیتی ہوتے ہیں اور جتنی کھیتی زیادہ ہو گی اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔
پھر وہ انسان پر ہے کہ چاہے تو اپنی کھیتی بڑھا لے چاہے تو گھٹا لے۔
میں تو کہتا ہوں کہ ہر انسان کو اللہ سے اپنی کھیتی میں اضافے اور نفع کی دعا کرنی چاہیے، کیوں کہ نیک اولاد انسان کے لیے صدقۂ جاریہ ہوتی ہے اور پھر امتِ محمدیہ (ﷺ) میں کثرت بھی تو ہوتی ہے۔ بروزِ قیامت رسول اللہ ﷺ اپنی امت کی کثرت پر فخر کریں گے۔
اور یہود اپنی سازشوں سے مسلمانوں کی تعداد کم کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ مسلمانوں پر غلبہ پانے میں کامیاب ہو جائیں۔
"ہاں نصیر صاحب! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، اب جو ہوا مجھے اس کا نتیجہ تو بھگتنا ہی ہے، مگر میں آج کی نسل کا مستقبل سنوارنے میں اپنی کوشش کر سکتا ہوں، میں اپنے خاندان کی اولاد کو تو سنوار ہی سکتا ہوں، مجھے ان کے ذہن سے غلط نظریات صاف کرنے ہیں اور اولاد جیسی نعمت کی قدر و قیمت بتانی ہے۔"
"ہاں شاہ جہاں بھائی! میں آپ کی اس مہم میں آپ کے شانہ بشانہ کھڑا ہوں۔ ہم یہود کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے، امتِ محمدیہ میں اضافے کا سبب بنیں گے، ان شاء اللہ!"
"دادا جان! ماما کہہ رہی ہیں، کھانا لگ چکا ہے، آپ تشریف رکھیے۔"
"آیئے شاہ جہاں صاحب! اب ہم ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں۔" اور دونوں دوست عشائیہ تناول کرنے چل دیے۔

BAITUSSALAM

عالمی ادارہ

بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

2200+

یتیم بچے زیرِ کفالت

رہائش، خوراک، تعلیم و تربیت

ضیوف الرحمٰن

دوسری قسط

اور اگلا میسج----- لیکن ابھی ہم اگلے میسج کو یہیں رہنے دیتے ہیں اور کچھ پیچھے چلتے ہیں۔ اس لیے کہ میرے خیال میں سفر حج کے ظاہری اسباب سے یہ اسباب زیادہ کار گر رہے ہیں۔ میرے شوہر تنویر صاحب کے والدین کی ان کے دو سال کی عمر میں علاحدگی ہو گئی تھی۔ ان سے بڑی ۴ سال کی بہن اور ان سے چھوٹا ایک سال کا بھائی تھا۔ ان کے والد عبدالمجید افریقا چلے گئے، جہاں انھوں نے کلثوم خاتون سے دوسرا عقد کیا، جہاں پاکستان میں تنویر صاحب کی والدہ کی بھی ایک سال بعد شادی ہو گئی۔ یہ بات ہے 1992ء کے آخر کی ہے۔۔۔ پھر سن 2000ء میں اپنے علاج کے سلسلے میں پاکستان آئے، 2 ماہ گزار کر چلے گئے۔ اس کے بعد سے کبھی کبھار ان کا ٹیلیفونک رابطہ رہا۔ ان کے والد کی دوسری اہلیہ سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ تنویر کو اللہ نے کم عمری ہی میں دین کی سمجھ دی تھی تو وہ فون کے ذریعے خود والد سے رابطے میں رہنے لگے۔ آخر پھر اٹھارہ سال بعد 2018 میں ان کے والد اپنی اہلیہ کے بریسٹ کینسر کے علاج کے لیے پاکستان آئے۔ 2019 میں آپریشن پھر ریڈی ایشن ہوا۔ اس سارے عرصے میں تنویر نے اپنی دوسری والدہ کا بے حد خیال رکھا۔ کلثوم ممی کو بھی تنویر بیٹوں کی طرح عزیز تھے، اس بیماری سے وہ شفایاب ہوئیں۔ آخر مئی 2003ء کے میں شدید بیماری اور فالج اٹیک ہوا۔ جون جولائی کے مہینے میں یہ میرے ساتھ ہوتے، ممی کو باتھ روم تک ہاتھ پکڑ کر چلا کر لے جانا، پھر انتظار کرنا، میں آواز دیتی کہ اب آ جائیں بستر پر لٹادیں۔ گاڑی میں بٹھانے، ٹیک سے بٹھائے رکھنا اپنے ہاتھ سے کھلانا، حتیٰ کہ اس بیماری کے اخیر میں، نیم غنودگی میں بھی تنویر کو آواز دیتیں تو فوراً حاضر ہوتے۔ آخری تین ہفتے گود میں اٹھا کر بستر سے اٹھاتے ہسپتال لے جاتے، جس نے جہاں کہا وہاں لے گئے کہ کہیں بھی علاج ہو اور اللہ شفا دے۔ آخری ہفتے اکتوبر کی دس تاریخ دوبارہ ہسپٹلائز ہوئیں۔۔ ہسپتال بھی گھر سے انتہائی دور تھا (میمن میڈیکل کمپلیکس) میں آئی سی یو میں ہوتی، یہ باہر اپنے والد کو لے کر بیٹھے ہوتے، کوئی بکنگ آتی، نمٹاتے پھر پہنچ جاتے وہیں ان کے والد بھی بیمار ہو گئے۔ مجھے گھر سے لینے آتے پھر رات گئے مجھے چھوڑ کر دوبارہ ہسپتال بھاگتے۔ آخری ہفتے ڈاکٹر نے جواب دے دیا تھا یہ تین دن تین رات تک ان کے بیڈ سے لگ کر بیٹھ گئے، زبردستی عملے نے نکالا کہ تھوڑا آرام کر لیں۔ مجھے لینے آئے، میں نے قرآن کی تلاوت کے بعد کلمہ شہادت کچھ بلند آواز میں پڑھا تو میری ساس نے اپنی گردن دائیں جانب کی اور شہادت کی انگلی اٹھائی، پھر ان کا بی پی اور شوگر ڈاؤن ہونے لگا تو مجھے باہر نکال دیا گیا۔ تب ڈاکٹر نے کہہ دیا بس ان کی زندگی کے لیے دعا کریں۔ مجھے 12 بجے رات گھر چھوڑا اور واپس چلے گئے۔ 2 بجے فون آگیا کہ ممی اب اس دنیا میں نہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔۔۔ بیماری کے دوران جب تک ہوش تھا تنویر کو، مجھے اور میرے بچوں کو خوب دعائیں دیں، جب زبان بند ہوئی تب آنکھوں سے ہمیں دیکھ کر خوش ہوتیں، دیکھتی رہتیں، گویا آنکھوں سے دعائیں دے رہی ہوں۔ ان کے افریقا میں موجود بھانجے بھانجیاں، ان کے اہلِ خانہ تنویر کی اتنی عزت کرتے ہیں کہ فون پر کہنے لگے: "خالہ ہمیں کہتی تھیں میرا کوئی اپنا جنا بیٹا بھی ہوتا تو وہ کبھی تنویر کی خدمت کے برابر تو دور، اس کی خدمت کا ایک حصہ بھی نہ کر پاتا۔۔۔ تنویر کو دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں کہ ہاں! میں بھی صاحبِ اولاد ہوں، وہ بھی تنویر جیسے بیٹے کی ماں ہوں، ماشاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ، الحمد للہ رب العالمین۔۔۔"

تو میں نے شروع میں کہا تھا نا، اللہ نے گویا ساری دنیا کو اسباب بنا دیا۔ ہمارے حق میں یہ سارے روحانی اسباب سفرِ حج کے لیے ظاہری اسباب سے زیادہ کار گر رہے! اور اب اگلے میسج کی طرف چلتے ہیں جو یہ تھا: "آپ عمرہ چھوڑیں، حج کی تیاری کریں۔ اَللّٰہُ أَکْبَر کَبِیرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّأَصِیلاً میرے تو ہاتھ پاؤں باقاعدہ کانپنے لگے، آنسوؤں کی جھڑی میں میسج ٹائپ کیا، میں کیسے۔۔۔ میں حج۔۔۔ اکیلی کیسے؟" جواب آیا: "آپ اور آپ کے شوہر بس تیاری کریں، حج فرض ہے، جوانی کے حج کی کیا بات! آپ والدہ کو بھی ساتھ لے لیں۔" لیکن یہ حج۔۔۔ ہمارا کیسے؟ مطلب حجِ بدل ہے؟

"نہیں، آپ کا فرض ادا ہو گا، بس آپ تیاری پکڑیں۔۔۔"

"آپ تینوں جا رہے ہیں پھر بس!" آیا ہے بلاوا مجھے دربارِ نبی ﷺ سے، سجدہ شکر تھا، فوراً اپنی امی کے پاس بھاگی لپٹ کر انھیں سنائی خوش خبری، پھر دن تھے کہ مجھ سے گزر نہیں رہے تھے۔ ہر بات پر دل دھڑکتا، بے چین رہتا، پاسپورٹ کے لیے گئے تو کہا: "آج جمعہ تھا، 12 بجے بند ہو گیا، پیر کو آنا۔" اب دو دن میں نے شوہر کا دماغ ہی کھایا، حقیقتاً گھڑیاں گنتی رہی۔۔۔ الحمد للہ رب العالمین! پاسپورٹ کے مراحل عافیت سے ہو گئے۔ پھر ٹریول ایجنسیوں کے چکر، دن 20 سے 25 مل رہے تھے اور ہوٹل حرمین سے انتہائی دور، کچھ کیٹیگری D کے باوجود بھی مہنگا۔۔۔ یوں ہی پریشان تھے، لیکن دعائیں جاری تھیں۔ ان کے دوست نے پوچھا: "ابھی کہاں ہو۔" اِنھوں نے کہا: "میں اہلیہ کے ساتھ یہاں ڈیفینس بیت السلام دفتر اور فہم دین مکتب آیا ہوں۔" کلیم بھائی کا جواب آیا، یہاں بھی ایک ٹریول ایجنسی ہے، ضیوف الرحمٰن کے نام سے، مگر وہ بلڈنگ میں ہے غالباً اور مجھے فلور یاد نہیں آ رہا، تم ایسا کرو بہادر آباد آ جاؤ ابھی، بعد میں معلوم کر کے بتاتا ہوں۔ انھوں نے جواب مجھے سنایا تو ضیوف الرحمٰن کے نام پر دل بے چین تو کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا: "میں نے یہ نام یہیں کہیں دیکھا ہے، شاید دیوار پر لکھا تھا۔ ہم دس بیس دن پہلے یہاں آئے تھے، جب ہی دیکھا تھا۔" آخر ڈھونڈنے پر یاد آیا میزان بینک کی جانب دیکھا تھا، واپس گئے تو بینک کے سامنے دیوار پر ضیوف الرحمٰن ٹورز لکھا نظر آیا۔ راہ گیر سے پوچھا تو اس نے گلی کی طرف اشارہ کر دیا اور گلی میں داخل ہوتے ہی ایجنسی نظر آئی۔ یہ کہنے لگے، یہ تو زمین پر ہی ہے، بلڈنگ کے فلور پر نہیں لگتا، ہمارا نصیب یہیں ہے! میں نے کہا دل کہتا ہے انہی کے ساتھ جانا لکھا ہے، کیوں کہ نام تو دیکھیں "ضیوف الرحمٰن" خیر! ضیوف الرحمٰن کے اونر وسیم انکل کے اخلاق ماشاء اللہ بہترین تھے اور جڑے ہوئے بھی مولانا عبدالستار دامت برکاتہم سے ہیں۔ انھوں نے بھی پہلے تو کہا 40 دن کا پیکج نہیں، پھر کہا: "کوشش کرتے ہیں آپ کچھ وقت دیں۔" (جاری ہے)

ہار یا جیت

شمائلہ شکیل

چست پینٹ شرٹ کے ساتھ لانگ شوز اور سر پر کیپ پہنے، ہاتھوں میں "اے ڈبلیو ایم" اور "ایم پی فائیو" تھامے، بارش کی طرح برستی گولیوں کی برسات میں، پسینے سے شرابور، وہ چاروں اندھا دھند بھاگ رہے تھے۔ بھاگتے بھاگتے مڑ کر کبھی کبھار دو، چار فائر وہ بھی دشمن پر کر دیتے تھے۔

"شہر یار، احمد، میکائیل! جلدی سے سامنے زیرِ تعمیر عمارت میں چھپ جاؤ!" ان میں سے ایک نے قدرے تیز آواز میں چلاتے ہوئے کہا۔

چناں چہ وہ چاروں آگے پیچھے بھاگتے ہوئے اس عمارت میں گھس گئے اور کھڑکیوں میں سے باہر جھانکنے لگے۔ اتنے میں دشمن کا ایک ساتھی دوڑتے ہوئے ان کے سامنے سے گزرنے لگا۔ اس کو دیکھتے ہی ان میں سے ایک نے اس پر فائر کھول دیا۔ گولیاں کھا کر وہ زمین پر گرا اور ساکت ہو گیا۔ اس کے باقی ساتھی صورتِ حال کا اندازہ ہوتے ہی عمارت کے داخلی دروازے سے اندر داخل ہونے لگے۔ بھاری بوٹوں کی قریب سے آتی آوازیں سن کر وہ چاروں چوکنا ہو گئے اور لمحوں میں فیصلہ کر کے کھڑکیوں سے باہر کود گئے۔ پاؤں زمین پر لگتے ہی وہ دوڑنے لگے اور دائیں جانب بنے مکان کی اوٹ لے کر دشمن سے بچ نکلنے میں کامیاب رہے۔

کچھ ہی دیر میں انھیں فائرنگ کی آواز سن کر اندازہ ہو گیا کہ دشمن بھی ان کا پیچھا کرتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ اسی بھاگ دوڑ میں وہ سب آبادی سے نکل کر جنگل میں داخل ہو گئے۔ درختوں کے جھرمٹ میں ایک اونچے ٹیلے کے پیچھے وہ چاروں کچھ دیر سانس بحال کرنے کو ٹھہر گئے۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ دشمن کی جانب سے تڑاتڑ گولیاں برسنے لگیں۔۔۔ چونک کر وہ چاروں جانب دیکھنے لگے، ایسا لگ رہا تھا کہ دشمن انھیں گھیر چکا ہے۔ وہ بھی جوابی فائر کرنے لگے اور ساتھ ہی ان کی عقابی نگاہیں دشمن کو ڈھونڈ رہی تھیں اور شاطر دماغ ان کے چنگل سے نکلنے کے لیے منصوبے بنا رہے تھے۔

آاہ!!! اچانک میکائیل کی تکلیف میں ڈوبی آواز سنائی دی۔۔۔ وہ لوگ لمحہ بھر کے لیے اپنے ساتھی کی جانب متوجّہ ہوئے، لیکن دشمن کی جانب سے ہوتی شدید فائرنگ نے ان کی توجّہ دوبارہ اپنی جانب مبذول کر لی اور اچانک انھیں دشمن قریب آتے دکھائی دینے لگے۔ ان تینوں نے بھی تاک تاک کر دشمن کے ساتھیوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔

کچھ ہی دیر میں دشمن کی جانب سے فائرنگ میں خاصی کمی واقع ہوئی، دشمن اپنا مزید ایک ساتھی گنوا چکا تھا۔

یہ تینوں میکائیل کی جانب بڑھے تو دیکھا کہ اس کی روح پرواز کر چکی ہے۔ یہ لوگ الٹے قدموں چلتے ہوئے وہاں سے نکلے ہی تھے کہ ایک بار پھر دشمن سے سامنا ہو گیا۔ اب تو مقابلہ بالکل آمنے سامنے کا تھا۔

"شہر یار! میرے پیچھے پہنچو، جلدی۔۔۔ احمد! ایک کو تم سنبھالو، دوسرے کو میں دیکھتا ہوں۔" محمد نے حکمتِ عملی اپناتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی فائرنگ بھی جاری تھی۔

"احمد! شہری کو کور کرو اسے گولی لگی ہے۔"

احمد کی گن سے نکلنے والی گولی نے ایک اور دشمن صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ شہر یار بھی ٹانگ پر گولی لگنے کے باوجود مسلسل فائر کر رہا تھا۔ آر یا پار کی لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ ایک سنسناتی ہوئی گولی آ کر احمد کے سر میں لگی اور وہ تیورا کر زمین بوس ہو گیا۔ شہر یار چوں کہ پہلے ہی زخمی تھا، لہٰذا خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے دیر تک مقابلہ جاری نہ رکھ سکا اور حواس کھو بیٹھا۔

محمد جیسے ہی شہر یار کی جانب متوجّہ ہوا۔۔۔ دشمن کی طرف سے آ کر پیٹ میں لگنے والی گولی نے اسے بھی اوندھے منہ زمین پر گرا دیا۔

"اووہ! شٹ یار!! ہم گیم ہار گئے۔۔۔" احمد نے جھنجھلا کر میز پر مکا مارا۔

"کُول ڈاؤن، میرے دوست! یہ "فری فائر" کی دنیا ہے، یہاں ہار جیت تو چلتی رہتی ہے۔" محمد نے دوست کے تناؤ کو کم کرنا چاہا۔

◆◆◆

کچھ دن بعد ان چاروں دوستوں نے محمد کے گھر جمع ہو کر "فری فائر" کھیلنے کا پروگرام بنایا اور یوں رات 8 بجے وہ لوگ محمد کے گھر پہنچ چکے تھے۔

"محمد! میں نے تو "ڈیزرٹ ایگل لی" ہے۔ اس سے kill بہت اچھا ہوتا ہے۔" شہر یار نے موبائل پر انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن! مجھے "اے ڈبلیو ایم" زیادہ پسند ہے، وہ تو بنی ہی میرے لیے ہے۔" محمد چہک کر بولا۔

"میکائیل ہے تو چھوٹا۔ لیکن اس کا نشانہ اچھا ہے۔" احمد نے میکائیل کو کھیلتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"شکریہ، بھائی! بس آپ لوگوں کی صحبت کا فیض ہے۔" میکائیل خوش ہو کر تعریف وصول کرتے ہوئے بولا۔

"شہری! جلدی کرو باہر نکلو، دشمن کو مارنا ہے۔"

"ٹھک ٹھک ٹھک۔۔۔" کمرے کا گیٹ تیز آواز میں بجنا شروع ہو گیا۔

"آرام سے۔۔۔ کون ہے بھائی؟ آ رہے ہیں۔" محمد نے تیز آواز میں کہتے ہوئے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

یکے بعد دیگرے تین پولیس والے کمرے میں گھس آئے۔۔۔

وہ چاروں دوست گھبرا کر اپنی جگہوں سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔۔۔

"تلاشی لو ان چاروں کی!" انچارج نے اپنے ماتحتوں سے کہا۔

"سر! موبائل کے علاوہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔"

"آخر ہوا کیا ہے۔۔۔ ہمیں بھی تو کچھ بتائیں؟؟" محمد نے تفکر بھرے انداز میں کہا۔

"اب تھانے چل کر ہی بات ہو گی، چلو۔۔۔"

◆◆◆

تھانے کا منظر۔۔۔

"ہاں! تو تم لوگ کون سی واردات کی منصوبہ بندی کر رہے تھے؟؟؟" تھانے دار کڑک کر بولا۔

"اوہ!۔۔۔ تو یہ بات ہے۔ سر ہم تو گیم کھیل رہے تھے، آپ پتا نہیں کیا سمجھے۔" محمد نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا اور ساری کہانی کہہ سنائی۔

یہ سن کر تھانے دار ہنسنے لگا۔

اور اپنے ماتحتوں سے بولا: "نالائقو! جاسوسی تو صحیح سے کیا کرو۔۔۔"

آج کے واقعے سے متاثر ہو کر ان چاروں دوستوں نے فری فائر کھیلنے سے توبہ کر لی اور عزّت سے گھر واپسی پر خدا کا شکر ادا کیا۔

طلاق کی بڑھتی شرح اور اس کے اسباب۔۔۔

بنتِ حافظ یاسین

آج پوری دنیا میں خاندانی نظام (Family system) ابتری اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ مغربی کلچر نے تو اس خاندانی نظام کے فائدوں اور برکتوں سے اپنے آپ کو آزاد کر رکھا ہے اور اس کی جگہ بہت سی بری عادات میں مبتلا ہو چکا ہے، لیکن افسوس! کہ آج مسلم معاشرے میں بھی یہ نظام کچے دھاگے سے بندھا نظر آنے لگا ہے اور باقی معاملات کے ساتھ ساتھ خصوصاً خاندانی نظام کو منتشر کرتے ہوئے مغربی کلچر کی شکل و نوعیت اپنانے میں آج مسلم معاشرہ پیش پیش ہے، جس کا نتیجہ زوال و پسماندگی کی صورت میں مل رہا ہے۔

آج مسلم معاشرہ نبی کریم ﷺ کے فرمان "تم یہود و نصاریٰ کے طریقوں کی پیروی کروگے، یہاں تک کہ اگروہ گو کی بل میں داخل ہوئے تو تم بھی اس میں داخل ہوگے۔" کی ایک تصویر ہے۔

جب کہ اسلامی معاشرے کا اصل رُخ تو یہ ہے کہ جن مرد و عورت میں اسلامی اصول کے مطابق ازدواجی تعلق قائم ہو، وہ پائیدار اور عمر بھر کا رشتہ ہوگا، جس سے ان دونوں کا دین و دنیا بھی درست اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد بھی اعمال و اخلاق میں شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہوگی۔ اس لیے اس پاکیزہ رشتے کو تلخیوں، رنجشوں اور چپقلشوں سے دور رکھا جائے، ورنہ اس کے برے نتائج علیحدگی اور طلاق کی صورت میں سامنے آتے ہیں اور طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض عمل ہے، جہاں تک ممکن ہو اس سے بچنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے: **تَزَوَّجُوْا وَلَا تُطَلِّقُوْا فَاِنَّ الطَّلَاقَ یَھْتَزُّ مِنْهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ** نکاح کرو طلاق نہ دو، کیوں کہ طلاق سے عرشِ رحمٰن ہل جاتا ہے۔

نکاح و طلاق کا معاملہ ہر مذہب و ملت میں عام معاملات کی طرح نہیں کہ طرفین کی رضامندی سے جس طرح چاہیں کر لیں، بلکہ ہر مذہب و ملت کے لوگ اس پر متفق ہیں کہ ان معاملات کو ایک خاص مذہبی تقدّس اور مرتبہ حاصل ہے اور انہی مذہبی ہدایات کے تحت یہ معاملات سر انجام پانے چاہییں، اسی لیے اسلام نے "طلاق" کی حوصلہ افزائی نہیں کی، بلکہ حتّی المقدور اس سے روکا اور صلح کی ترغیب دلائی ہے، البتہ ساتھ ہی یہ تعلیم بھی دے دی ہے کہ اگر ازدواجی رشتہ ختم کرنا ضروری ہو جائے تو جدائی کی شکل کیا ہو سکتی ہے، چناں چہ طلاق کے کچھ اصول و ضوابط قائم کیے ہیں، تاکہ قطعِ تعلق بھی شرعی اصولوں کے مطابق کیا جائے، جس کی تعلیم ہمیں سورۂ طلاق میں ملتی ہے۔

طلاق کی اس بڑھتی ہوئی شرح کے اسباب میں بہت سے عوامل شامل ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

غیر ذمے دارانہ رویہ: ہمارے معاشرے میں اگر کوئی لڑکا یا لڑکی کسی ذہنی انتشار کا شکار ہے تو اس کا حل بھی شادی ہی میں ڈھونڈا جاتا ہے، اگر کوئی غیر ذمے دارانہ رویہ اختیار کر رہا ہے تو اس کا حل شادی میں ہی سمجھا جاتا ہے کہ شادی کردو خود ہی سدھر جائے گا، لیکن اس کے نتائج شادی کے بعد دو خاندانوں میں نفرتوں اور طلاق کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔

جوائنٹ فیملی سسٹم: ساس، نند، دیورانی وغیرہ کے بُرے رویے اور چالیں صرف ڈراموں اور فلموں کی ہی رونق نہیں، بلکہ یہ برائیاں مشترکہ خاندانی نظام (جوائنٹ فیملی سسٹم) کی صورت میں ایک پاکیزہ عقد کو توڑنے کا بھی سبب بنتی جا رہی ہیں، جس میں بے پردگی اور غیر محرموں (دیور جیٹھ) وغیرہ سے قربت پیدا ہو جاتی ہے اور قطعِ رحمی کا سبب بنتی ہے۔ ایک مکان میں متعدّد افراد میں سے ہر حق دار کو اس کا حق نہ ملنا اور اس سے اچھا سلوک نہ کرنا، رنجشوں اور دوریوں کا سبب ہے۔

بچپن کی شادیاں: ہمارے پاکستان کے کچھ علاقوں میں بچپن میں ہی لڑکے لڑکیوں کا نکاح کروا دیا جاتا ہے، پھر اس بچکانہ ذہنیت کے نتائج خطرناک ثابت ہوتے ہیں اور بعد از بلوغت پسند و ناپسند کا جھگڑا کھڑا ہوتا ہے، جس کا نتیجہ طلاق کی صورت میں نکلتا ہے۔

عدمِ برداشت: عدمِ برداشت کا مرض جہاں زندگی کے ہر معاملے میں نقصان دہ ہے، وہیں یہ مرض میاں بیوی کے نازک رشتے میں کسی زہر آلود خنجر سے کم نہیں۔ کبھی شوہر چھوٹی سی بات کو اَنا کا مسئلہ بنا کر طلاق دے دیتا ہے اور پھر پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، ایسی ہی صورتِ حال عورت کی طرف سے بھی دیکھی جاتی ہے۔

کفو کا نہ ہونا: شریعت میں اس بات کا بہت خیال رکھا گیا ہے کہ بے جوڑ نکاح نہ کیا جائے، یعنی لڑکی کا نکاح کسی ایسے لڑکے سے نہ کیا جائے جو اس کے برابر کا نہ ہو۔

کفو کا اعتبار پانچ چیزوں میں ہوتا ہے: نسب، مسلمان ہونا، دین داری، مال، پیشہ عموماً کفو کا نہ ہونا بھی طلاق کا باعث بنتا ہے۔

اس کے علاوہ مالی تنگی، اسلامی تعلیمات سے دوری، موبائل فون کا غلط استعمال، بدگمانیاں بھی طلاق کے اسباب میں شامل ہیں۔

آلو گوشت

یاسر فاروق

لذت کی دیکھو معراج — آلو گوشت پکا ہے آج
دیکھو سب کو ہے مرغوب — اسے تو کھائیں سارے خوب
سنجیدہ بھی، شوخ مزاج — آلو گوشت پکا ہے آج
دیکھی نلی نہاری بھی — کڑھی کھائی کراری بھی
سالن میں پر اس کا راج — آلو گوشت پکا ہے آج
جانے کس کا کھلے نصیب — کھائیں شاعر اور ادیب
سیما، رونق، راج، سراج — آلو گوشت پکا ہے آج
پکے تو پھیلے کیا ہر سو — ادرک لہسن کی خوش بو
اور پیاز تو سر کا تاج — آلو گوشت پکا ہے آج
آلو کا بھی ایک مزہ — گوشت بھی دیکھو خوب پڑا
کس نے رکھی کس کی لاج — آلو گوشت پکا ہے آج
امی اسے پکائیں جی — شوق سے سارے کھائیں جی
خوش بو یاسر ایک علاج — آلو گوشت پکا ہے آج

ہم اور ہمارا موبائل

انیسہ عائشہ

کرونا والے سال جب دیگر اداروں کے ساتھ ساتھ تعلیمی ادارے بھی بند کر دیے گئے تو ہمارے انسٹیٹیوٹ کی جانب سے حکم نامہ جاری کیا گیا کہ انسٹیٹیوٹ بند رہے گا، مگر آن لائن کلاسیں اور ٹیسٹ سیشن باقاعدگی سے جاری رہیں گے۔ ٹیسٹ لکھ کر واٹس ایپ کرنے کی تاکید کی گئی اور اس پر عمل بھی کروایا گیا۔ اس وقت ہمارے والدین کو بھی موبائل کی ضرورت کا احساس ہوا اور ایک عدد جدید ٹچ موبائل کی ہمارے گھر تشریف آوری ہوئی۔

اس طرح ہم بھی ایک نئی دنیا سے واقف تو ہوئے، لیکن پھر بھی ہماری توجہ کا محور و مرکز کمپیوٹر ہی رہا، مگر جیسے ہی ہم نے کالج میں قدم رکھا تو اپنی ساتھی طالبات کے ہاتھوں میں موبائل دیکھے۔ یہ سارا سال ہم نے وٹس ایپ، ٹک ٹاک، فیس بک، سنیپ چیٹ، یوٹیوب وغیرہ اور اس طرح کی اصطلاحات سے زبانی طور پر واقف ہوتے گزارا۔ سالِ اوّل میں آدھی طالبات کے پاس موبائل تھا، باقی آدھی ہماری طرح تھیں۔ گویا آدھا حصہ فیض یاب اور بقیہ آدھا محرومات میں بٹ گیا۔ جب ہم نے اگلے سال میں قدم رکھا تو باقی آدھی کلاس بھی فیض یافتہ کی صف میں جا کھڑی ہوئی۔ صرف ایک ہم ہی محروم رہ گئے ہماری خاص سہیلی بھی موبائل لے آئی تھی۔ فری پیریڈ میں وہ موبائل استعمال کرتی، ہم بھی مستفید ہوتے، موبائل ہماری دیرینہ خواہش بن گئی لیکن ہمارے گھر والوں نے اس خواہش کو قابلِ اعتنا ہی نہ جانا۔ اب تو ہمارا یہ حال ہو گیا کہ جس کے ہاتھ میں بھی موبائل نظر آتا ہم آہ بھر کر رہ جاتے۔ موبائل کا نہ ہونا ہمیں احساسِ کم تری کا شکار کرنے لگا اور کیوں نہ ہوتے؟ ہمیں یوں محسوس ہونے لگا جیسے کہ ہم موبائل Era میں جینے لگے ہوں۔ کیا کالج، کیا کالج سے باہر کی دنیا ہر اک کے ہاتھ میں موبائل! اکیڈمی کے اساتذہ کے پاس موبائل، طالبات کے پاس موبائل، چوکیدار کے پاس موبائل۔ باہر نکلیں تو سڑک پہ چلتے راہ گزر کے پاس موبائل، دکاندار کے پاس موبائل، خریدار کے پاس موبائل اور ہماری آنکھوں میں آنسو ہی بھر آئے، جب ہم نے دیکھا کہ کباڑیے کے پاس موبائل، ردّی والے کے پاس موبائل، چھلی والے کے پاس موبائل اک ہمارے پاس ہی موبائل نہیں تھا۔

اب یوں سمجھیے کہ پڑھائی کے بعد ہماری واحد خواہش موبائل کا حصول رہ گئی اور ہم جب ذرا امی کو قائل کرنے میں کامیاب ہوئے تو ہمارے گھر میں آنے والے رسائل و اخبارات میں موبائل کے نقصانات پر تواتر سے تحریر آنے لگیں۔ گھر والوں کی نیم رضامندی قطعی انکار میں بدل گئی۔ (اب دلائل جوان کے ہاتھ لگ گئے تھے) مطالعے کے شوق کے ساتھ ساتھ موبائل کا شوق بھی شامل ہو گیا۔ خیر اسی دوران ہمارے امتحانات آ گئے اور ہم نے اپنی ساری توجہ امتحانات پر مرکوز کر لی۔ امتحانات سے فارغ ہوتے ہی بھائی نے ہم پر ترس کھا کر ایک عدد تھکا ہارا موبائل ہمیں تھما دیا، اس موبائل میں فیس بک اور دوسری ایپس کے علاوہ کچھ بھی قابلِ ذکر نہیں تھا۔ فیس بک میں ہماری دل چسپی صفر تھی۔ واٹس ایپ اور دوسری کچھ ایپ ہماری توجہ کا مرکز بن گئیں۔ آسان الفاظ میں ہم نے اپنے ذوق کے مطابق ڈیجیٹل ریڈنگ شروع کر دی۔ پہلے تو موبائل ٹھیک چلتا رہا، جب مزید تھک گیا تو اس نے خرابی کے آثار دکھانا شروع کر دیے، مگر ہم اسے تھپکی و پکی دے کر چلاتے رہے۔ پُر سکون بہتی ندی کے مانند گزرتے دنوں میں ہماری اپیا کی آمد نے ہلچل مچا دی۔ وہ کافی عرصے بعد آئی تھیں، سو اس بار ان کا قیام طویل تھا۔ انھوں نے ہمارے شب و روز کے معمولات کو جانچا تو ان کا ماتھا ٹھنکا۔ مزید یہ کہ اس بار ہم ان کو پہلے کی طرح وقت اور توجہ بھی نہیں دے پا رہے تھے ان سے بے توجہی اور موبائل میں مگن! انھیں ہماری یہ ادا بالکل نہ بھائی۔ مگن کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ 24 گھنٹے ہم موبائل ہاتھوں میں لیے بیٹھے ہوں، نہیں ہر گز نہیں۔ صبح شام کے کاموں میں امی جان کی مدد کرانا اور اس کے بعد جو فراغت میسر آتی، اس وقت میں ہم ڈیجیٹل ریڈنگ کرتے، مگر اپیا نے اس پر بھی قدغن لگوانا چاہی۔ اب ہماری اور ان کی جھڑپ ہونے لگی، جس میں کبھی کبھار ہم جیتتے، ورنہ اکثر پسپائی اختیار کرنا پڑتی۔ (چھوٹے اور مؤدّب ہونے کے ناتے) ایک دن اسی طرح ہم موبائل میں غرق تھے کہ انھوں نے غصے میں آ کر ہمارے ہاتھوں سے موبائل لے لیا۔ ہم نے ان سے واپس مانگنا چاہا تو انھوں نے ہاتھ اونچا کر دیا۔ اسی وقت موبائل ٹھا کی آواز کے ساتھ زمین بوس ہو گیا۔ ہم نے اسے اٹھا کر دیکھا تو موبائل کی تاریک اسکرین پر چہرہ کئی حصوں میں بٹا ہوا عکس ابھرا اور ہماری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپی کو بھی یک دم ندامت نے آ گھیرا۔ اس سانحے نے ہم پر ایسا گہرا اثر ڈالا کہ ہم نے بالکل ہی چپ سادھ لی اور سمجھ لیا کہ موبائل ہماری قسمت میں ہی نہیں۔ مقدر کا لکھا جان کر صبر و ضبط کی گہری چادر اوڑھ لی۔ کچھ دنوں بعد مصروفیت کے لیے ہم نے اسکول جاب شروع کر دی۔ یوں ہی سست روی سے وقت گزرنے لگا۔ اسکول میں موبائل کی ضرورت کا اندازہ اس وقت ہوا جب بریک ٹائم اور فری پیریڈ میں ساتھی ٹیچرز موبائل پہ مصروف ہوتیں تو ہمیں اپنا آپ عضوِ معطل اور بے کار سا لگتا تو ہم سوچتے کہ ہمارے پاس بھی موبائل ہوتا تو ہم مصروف نہیں تو مصروف ہونے کی اداکاری ہی کر لیتے۔ خیر! رزلٹ آیا اور ہماری آگے پڑھائی کا فیصلہ ہوتے ہی ہمارے لیے اُمید کی کرن جاگی اور ہمارے نام سے ایک عدد موبائل نے گھر میں قدم رنجہ فرمائے۔۔۔ مگر یقین جانیے! وہ بس نام کو ہی ہمارا تھا، اس کے جملہ حقوق ہمارے چھوٹے بہن بھائیوں نے اپنے نام محفوظ کرا لیے۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی روتی بسورتی صورتیں، عاجزی اور منت بھرے لہجے پر ترس آ جاتا، اگر سختی سے انکار کریں تو نقصِ امن کا خدشہ اور امی جان کی ڈانٹ بڑے ہونے کے ناتے ہمارے حصے میں آتی۔ ”تم بڑی ہو، تم سمجھ داری سے کام لو۔“ پھر بھی ہم شکر گزار ہیں کہ اس موبائل نے ہمارا بہت ساتھ دیا اور دے رہا ہے۔ اگرچہ اب اس پر ضعیفی کے اثرات ظاہر ہونے لگے ہیں، لیکن ہمارا ساتھ دے رہا ہے اور ہم اسے ایک نعمت سمجھ کر خرافات سے بچتے ہوئے مثبت کاموں میں استعمال کرتے ہیں۔

ہم پہ قرآن کا حق

امِ محمد عبداللہ

قرآنِ پاک ثواب کے ساتھ ساتھ ہدایت کی بھی کتاب ہے۔ اس کو ثواب اور ہدایت کے حصول کے لیے پڑھنا ہے۔ قرآنِ پاک کی ایک آیت کو سمجھنا سو نفل عبادات سے افضل ہے۔

رات کے دو بج رہے تھے، لیکن احتشام احسن اپنی اسٹڈی ٹیبل پر جھکے فائلیں کھولے اہم نکات لکھنے میں مصروف تھے۔ وہ ملک کے مایہ ناز وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ عالمی سیاست پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ کئی زبانوں میں مہارت اور شعلہ بیاں مقرّر ہونے نے ان کی شخصیت کی کشش کئی گنا بڑھا دی تھی۔ سوشل میڈیا پر ان کی نیوز ویب سائٹ اور یوٹیوب چینل کی ریٹنگ متاثر کن تھی۔ ان کا ایک ایک آڈیو ویڈیو کلپ بین الاقوامی سطح پر وائرل ہو جایا کرتا تھا۔ صبح انھوں نے کرمنل لا کی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کرنا تھی اور سہ پہر میں انسانی حقوق اور آزادیٔ نسواں پر ملکی سطح کی اہم میٹنگ کی صدارت بھی۔۔۔ اس سب کی تیاری میں رات آدھے سے زیادہ بیت چکی تھی۔

اگلی صبح کانفرنس میں احتشام صاحب کے مقالے کو بے حد پزیرائی حاصل ہوئی۔ تحقیق میں ان کی ان تھک محنت، جانفشانی سے کیے گئے تقابلی جائزے اور بہترین تجاویز پر قریبًا تمام شرکائے کانفرنس مرعوب نظر آرہے تھے۔ سہ پہر تک ان کی خود اعتمادی جس میں پہلے ہی کچھ کمی نہ تھی، کچھ اور بھی پروان چڑھ چکی تھی۔

میٹنگ میں کرسی صدارت پر تشریف رکھے ان کے ماتھے کے بل نمایاں ہو رہے تھے۔ ان کا لمحہ لمحہ قیمتی تھا اور میٹنگ شروع کرنے سے پہلے جس قاری صاحب کو قرات کے لیے بلایا گیا تھا وہ تاحال موجود نہیں تھا۔

بس قاری صاحب آجائیں تو اللہ کا نام لے کر میٹنگ شروع کرتے ہیں، انھیں بتایا گیا۔

''ہمم! تلاوت ہی کرنا ہے نا کوئی بھی کر سکتا ہے، میں کیے دیتا ہوں۔'' انھوں نے زعم سے کہا۔

تعوذ تسمیہ کے ساتھ سورۂ فاتحہ کا آغاز کیا، لیکن یہ کیا۔ زبان اور حافظہ دونوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔

وہ آیات جو دن میں کئی کئی بار پڑھنے کا حکم ہے، ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص ان کو پڑھ ہی نہ پایا

کسی نے قہقہہ بلند کیا اور کسی نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

مقامِ افسوس کہ یہ نہ تو ہنسنے کا مقام تھا نہ ہی مسکرانے کا۔۔۔!!

اور کیا کیجیے کہ یہ محض ایک واقعہ نہیں ہے، یہ ہم سب کی کہانی ہے۔

نرسری کی عمر کے بچوں سے لے کر یونی ورسٹیوں میں پڑھتے جوانوں تک سب کو سب کچھ رٹا ہوا ہے۔

نہیں آتا تو نصاب کی آفاقی کتاب کا سبق نہیں آتا۔ وقت نہیں ملتا تو قرآنِ پاک کھولنے کا نہیں ملتا، اس پر ہم سب ایک دوسرے سے نہایت بھولپن سے اپنے زوال کا سبب پوچھتے ہیں۔

اتنا مبہم سا یہ سویرا کیوں ہے
اب بھی تاریکی کا بسیرا کیوں ہے
رکھ کر اب جزدان میں سورج سب لوگ
پوچھا کرتے ہیں یہ اندھیرا کیوں ہے

آج کل ویسے بھی ہر طرف حقوق پر آواز اٹھائی جا رہی ہے۔ کہیں حقوقِ نسواں زیرِ بحث ہیں تو کہیں حقوقِ اطفال کا غلغلہ ہے۔ کوئی مزدوروں کے حقوق کے لیے لڑ رہا ہے تو کوئی تاجروں کے لیے۔ یہ سب حقوق سب کو تب ہی مل سکتے ہیں کہ جب ہم قرآنِ پاک کو اس کے حقوق دیں۔

جان لیں کہ قرآنِ پاک کے ہم پر یہ پانچ حق ہیں۔

1. ایمان! ہم قرآن پر ایمان لائیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔
2. تلاوت! باقاعدگی سے تلاوتِ قرآن کو معمول کا حصہ بنایا جائے۔
3. فہم! قرآنِ پاک کا حق ہے، اس کے مطالب و معنی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔
4. عمل اور اس کے احکام کے نفاذ کی کوشش۔

قرآنِ پاک کا ہم پر یہ بھی حق ہے کہ ہم اس میں دیے گئے تمام احکام کی نہ صرف خود تعمیل کریں، بلکہ حکمت و تدبیر کے ساتھ گھر، خاندان اور معاشرے میں اس کے نفاذ کے لیے بھی کوشاں رہیں۔

5. تبلیغ! جہاں تک ہو سکے قرآنِ پاک کا پیغام اپنے قول و فعل سے عام کرنے کی سعی کریں۔

آج کے اس نفسا نفسی کے دور میں ہر بندہ حقوق کی جنگ لڑ رہا ہے اور مسلسل یہ جنگ ہار رہا ہے، کیوں کہ ہم مسلمان قرآنِ پاک کو وہ حق دینے کے لیے تیار نہیں، جس کا وہ حق دار ہے۔ یوں ہم نہ صرف خیر کے دروازے اپنے اوپر بند کیے بیٹھے ہیں بلکہ اقوامِ عالم تک بھی خیر کی خبر پہنچانے سے قاصر ہیں۔ ہمارا ایمان ناقص، تلاوت بے اثر، فہم کے ہم طالب نہیں، عمل، نفاذ اور تبلیغ تو میلوں کی مسافت پر ہیں۔

اب اگر ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنے حقوق کی جنگ جیتنا چاہتے ہیں اور دنیا میں امن کے خواہاں ہیں تو ہمیں قرآنِ پاک کو اس کا حق دینا ہے۔

آج ہی سے کچھ وقت بالخصوص نمازِ فجر کے بعد کا وقت قرآنِ پاک کے لیے مختص کریں۔

تلاوت کریں، ترجمہ و تفسیر پڑھیں اور جو پڑھیں دن بھر اس پر عمل کے لیے جان کھپائیں،

اپنے بچوں اور گھر والوں کو اس پر عمل کی دعوت دیں۔

ہر ہر آیت سے اپنا دل، گھر، معاشرہ اور یہ دنیا منوّر کرنے کا عزم کر لیں۔

قرآن کو حق دیں اور اللہ پاک کی رحمت سے دنیا و آخرت کی خیر پر اپنا حق محفوظ کر لیں۔۔۔!!

اپنائیت

نجم النساء ملک

یارانِ جہاں کہتے ہیں کشمیر ہے جنّت　　　　جنت کسی کافر کو ملی ہے نہ ملے گی

اویس آزاد کشمیر اپنے دوستوں کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ احمد، فرقان، اسد اور اویس یہ چار ساتھیوں کا گروپ تھا۔ یہ چاروں آزاد کشمیر کی سیر کے لیے آئے تھے۔

اویس کا تعلق کراچی سے تھا اور باقی تینوں ساتھی آزاد کشمیر سے کراچی پڑھنے گئے تھے۔ وہ تینوں اکثر اویس کو وڈیو کی صورت اپنے علاقے کی خوب صورتی دکھاتے رہتے۔ اویس شروع سے قدرتی حسن کا دیوانہ تھا، اس بار وہ ان کے اصرار پر ان کے ساتھ آزاد کشمیر آیا ہوا تھا۔ وہ چاروں شام کو پہنچے تھے، لیکن اویس کو ذرا بھی تھکن محسوس نہیں ہو رہی تھی، وہ سب احمد کے گھر ٹھہرے تھے۔ احمد اپنی بڑی بہن کے ساتھ رہتا تھا، وہ دو ہی بہن بھائی تھے۔

احمد کی فیملی جموں کشمیر میں شہید ہو چکی تھی۔ اس کے بہنوئی فاران اپنی بیوی اور احمد کو بڑی مشکلوں سے آزاد کشمیر لانے میں کام یاب ہوئے تھے۔ اویس کے بھی کشمیر کے بارے میں کچھ ایسے ہی خیالات تھے، جیسے کہ ان تینوں کے تھے۔

اویس نے کہا کہ یہاں کا قدرتی حسن اور خوب صورتی دیکھ کر جو یہاں کے لیے شاعروں اور ادیبوں نے کہا ہے کہ

”اگر کوئی مردہ پرندہ وادیٔ کشمیر آجائے تو وہ بھی زندہ ہو جاتا ہے“ (فارسی شاعر شیرازی)

کشمیر کے حسن سے متاثر ہو کر برِّ صغیر کے مالک و مختار مغل بادشاہ جہانگیر کی دل کی آواز کچھ یوں تھی۔۔۔

اگر فردوس بر روئے زمیں است　　　　ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است!

اور جس کشمیر کی خوب صورتی کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کشمیر کو ”ایران صغیر“ کہہ کر پکارا! ایک انگریز سیّاح جارج فاسٹر اس حسین وادی کی تعریف کچھ یوں کر بیٹھا!

ایسا لگتا ہے کہ میں ملک پرستان کے کسی صوبے میں آیا ہوں۔۔۔“

فاران کی زبانی ”ہجرت آزاد کشمیر“

وادیٔ کشمیر کے لوگوں کے لیے کرفیو بند، فوجیوں کی موجودگی اور ہفتوں تک گھر میں دبکے رہنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ایسے حالات میں زندہ رہنے کا طریقہ انھوں نے سیکھ لیا ہے۔

تقریباً ہر گلی میں راشن، اناج، ہری سبزیاں سمیت ضروری سامان مل جاتے ہیں۔ اس وجہ سے اکثر شاہراؤں تک پہنچنا بھی ہو تو بھی عام لوگوں کی زندگی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

اس کے علاوہ کشمیر کے لوگوں نے مشکل حالات میں ایک دوسرے کے کام آنا بھی سیکھ لیا ہے اور اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ کوئی بھوکا نہ رہ جائے۔

افواہیں ہماری زندگی کا حصہ بن گئیں ہیں، لیکن اگست کے پہلے ہفتے میں افواہوں کا بازار گرم ہو گیا۔ فوج نے یہ بتانے کے لیے بریفنگ دی کہ پاکستانی دہشت گرد، دراندازی کر چکے ہیں اور وہ امر ناتھ یاتریوں پر حملے کے فراق میں ہیں۔ امر ناتھ یاترا کو اچانک روکنے اور وادی میں بڑی تعداد میں اضافی سیکیورٹی فورسز کی تعیناتی کو وہ واجب ٹھہرانے کے لیے ایسا کیا گیا ہے، لیکن جب سیاحوں اور باہر کے طلبا کو ریاست سے چلے جانے کو کہہ دیا گیا تو فضا میں ان کی چالوں کی بو پھیلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

14 اگست کی شام کو لینڈ لائن فون بھی بند ہو گئے، پھر ہمیں احساس ہوا کہ انٹرنیٹ خدمات بھی بند ہیں، یہاں تک تو ہمارے لیے عام سی بات تھی، لیکن پھر بجلی بھی چلی گئی اور ہم انجانے خوف کی گرفت میں تھے۔ چاروں طرف تاریکی، بغیر بجلی ٹی وی کے بے کار ایسے میں ایک افواہ اڑتی ہے کہ ایل او سی پر ایک بڑے دھماکے کی تیاری کی جا رہی ہے اور اس کا ٹھیکڑا پاکستان پر پھوڑتے ہوئے کوئی بڑی کارروائی کی جاتی ہے۔

اگلے دن جیسے ہی امت شاہ نے پارلیمنٹ میں دفعہ 370 کو ختم کرنے کا اعلان کر لیا تو بجلی بحال کر دی گئی۔ اس دن وادی میں موت کا سناٹا تھا۔ لوگ متفکّر اور مایوس نظر آ رہے تھے، کچھ بھی کھایا پیا نہیں جا رہا تھا، کچھ سنبھلے تو گزشتہ واقعات پر نظر دوڑانا شروع کی، یعنی کہ دہشت گرد خطرہ نہیں تھا۔۔۔!

بلکہ سیکیورٹی فورسز کی زبردست تعیناتی ہمیں قابو کرنے کے لیے تھی، ہم اچانک ملک کے لیے خطرہ ہو گئے تھے۔

سب سے بے ہمتی کی بات کشمیر پولیس سے اسلحہ رکھوا لیا گیا، تھس اور ڈنڈے ان کے ہاتھ میں پکڑا دیے گئے تھے۔

جب آپ سے آپ کا اسلحہ چھن جائے تو سمجھ جائیں کہ آپ کو یرغمال بنا لیا گیا ہے، چاہے وجہ کوئی بھی ہو؟

یہاں جنگِ خندق کا وہ واقعہ یاد آتا ہے، جب آپ (ﷺ) کے ساتھ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ عورتوں اور بچوں کو ایک ہی مکان میں منتقل کر دیا گیا تھا اور ان کے ساتھ کسی ضعیف صحابی کو ٹھہرایا گیا تھا۔

وہ بھی وقت تھا، جب حضرت صفیہ (آپ ﷺ کی پھوپھی) اور چند خواتین صحابیات نے مل کر ایک مخبر کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کا سر گلی میں پھینک دیا تھا۔ مخبر کے ساتھ جو ساتھی تھا، اس نے جب اپنے ساتھی کا یہ حشر دیکھا حواس باختہ بھاگا اور مشرکین سے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ مسلمان مرد اپنی عورتوں اور بچوں کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتے۔

جبکہ مجاہدین کی عورتیں خود کسی مجاہد سے کم نہیں! فاران یہ واقعہ سناتے ہوئے رو پڑا اور کہا کہ میں بس احمد اور اس کی بہن کو کسی طرح نکالنے میں کام یاب ہو گیا، بس اتنا ہی کر پایا۔

آج بھی ہمیں ایسی ہی بہادر عورتوں اور بچوں (جنگِ بدر میں ابو جہل کو دو بچوں نے جہنم واصل کیا تھا) کی ضرورت ہے۔

آج کشمیر اور فلسطین کی نگاہیں امتِ مسلمہ پر ٹھہری ہوئی ہیں۔ ہر شہید کی آنکھ ہم سے سوال کرتی ہے، آخر کب تک؟؟؟؟

وادیٔ کشمیر ایک پری کی مانند ہے، جس پر ایک دیو قابض ہے۔ ہے کوئی! جو اس پری کو اس دیو کی قید سے آزاد کرائے؟؟؟

بیت السلام موبائل ایپ
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
قبلہ ڈائرکشن
ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
آن لائن ڈونیشن
زکوۃ کیلکولیٹر
لائیو اور ریکارڈ بیانات
روزمرہ کی دعائیں
قرآن کریم
نماز ٹائمنگ
BAITUSSALAM

جیت کی خوشی

مہوش اسد شیخ

"السلام علیکم، ہم آگئے!" حمنہ اور حماد گھر میں داخل ہوتے ہی ایک کورس میں بولے۔

"وعلیکم السلام، آ گئے میرے بچے!" امی جان نے کچن سے نکل کر دونوں کو اپنے ساتھ لگا کر پیار کیا۔

"کھانا تیار ہے، میں دستر خوان لگانے لگی ہوں، چلو جلدی سے یونیفارم تبدیل کر کے آ جاؤ۔" امی کے کہنے پر دونوں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

"گندے کپڑے اور جوتے ان کی مخصوص جگہ پر رکھنا۔" امی نے پیچھے سے آواز دی۔

"ٹھیک ہے امی جان!" بچوں نے وہیں سے باآواز بلند جواب دیا۔

امی جان مسکراتے ہوئے واپس کچن میں چلی گئیں۔ بچے کپڑے بدل کر آئے تو کھانا دستر خوان پر چن دیا گیا تھا اور امی بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

"آج کیا پکایا ہے؟" حماد نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"ماش کی دال!" امی پلیٹ میں سالن نکالنے لگیں۔

"لیکن مجھے تو۔۔۔"

"بری بات! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کریں تو وہ خفا ہو کر رزق میں کمی کر دیتے ہیں۔" امی نے حماد کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی پیار سے ٹوک دیا۔

"جی امی جان!" وہ کمزور لہجے میں کہتا ہوا اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔

"آہا! ماش کی دال! مزے دار!" حمنہ چسکے لے کر کھانے لگی، حالاں کہ یہ دال اسے بھی کچھ خاص پسند نہیں تھی، لیکن امی سے شاباش وصول کرنے کے چکر میں ایسا کر رہی تھی۔ حماد اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"جو جلدی کھانا کھا کر ہوم ورک مکمل کرے گا، آج اسے انعام ملے گا۔" امی کے اعلان پر خوش ہو کر حماد اور حمنہ جلدی جلدی کھانا ختم کر کے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ امی جان نے برتن سمیٹے اور کچن میں جا کر دھونے لگیں۔ دونوں بہن بھائی اپنا اپنا بیگ لاؤنج میں لے آئے، دونوں یہاں امی کے سامنے بیٹھ کر ہوم ورک کرتے تھے۔ حمنہ نے بیگ کھول کر ہوم ورک ڈائری نکالی اور دیکھنے لگی۔

"کتنے ہوم ورک ملے ہیں؟" حماد نے سرسری سا پوچھا۔

"تین!" وہ مختصر جواب دے کر اپنی کتابیں نکالنے لگی۔

"مجھے تو صرف دو ملے ہیں۔" وہ چہکا۔

بیگ کھولا تو کاغذ کا بنایا ہوا جہاز نظر آ گیا جو اس نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر اسکول میں بنایا تھا۔ وہ جہاز کو سیدھا کر کے کمرے میں ادھر ادھر اڑانے لگا۔ حمنہ اپنی کاپی پر جھکی کام لکھ رہی تھی۔

"بھیّا! آپ شاید بھول رہے ہیں کہ امی جان نے جلدی ہوم ورک کرنے والے کو انعام دینا ہے۔" اس نے معصومیت سے یاد دہانی کروائی۔

"اوووہاں! میں تو بھول ہی گیا تھا۔" اس نے کھیل ملتوی کرتے ہوئے فوراً اپنی نشست سنبھال لی اور بیگ سے کتابیں نکالنے لگا۔

"حمنہ! مجھے پانی کا ایک گلاس پلا دو، حلق خشک ہو رہا ہے؟"

"آپ خود ہی تو کہتے ہیں اپنا کام خود کرنا چاہیے۔" حمنہ نے کاپی پر سے نگاہ ہٹائے بنا جواب دیا۔

"کیا تم نہیں جانتی کسی کو پانی پلانے پر بہت ثواب ملتا ہے۔"

"جانتی ہوں۔" وہ منہ بسورتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کچن کی طرف چل دی۔ گلاس میں پانی بھرا اور لے آئی۔

"لیجیے!" گلاس بھائی کی طرف بڑھا دیا۔ حماد نے ایک گھونٹ بھر کر ایک طرف رکھ دیا اور تیزی سے ہاتھ چلانے لگا۔

"میری پینسل کہاں گئی؟" حمنہ نے اپنی کتاب اور کاپی اٹھا کر دیکھا، میز کے نیچے بھی دیکھا مگر پنسل کہیں نہ تھی۔

"شاید تم کچن میں کولر کے پاس بھول آئی ہو۔" حماد ایک کاپی کا کام مکمل کر کے دوسری کھول رہا تھا۔

"نہیں، میں کچن میں خالی ہاتھ گئی تھی۔ پنسل یہیں چھوڑ کر گئی تھی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"کیا بات ہے؟" شور سن کر امی جان کمرے سے نکل کر ان کے قریب آ گئیں۔ حماد نے فوراً ساری بات بتا دی۔

"جاؤ حمنہ! ایک بار کچن میں دیکھ آؤ، تاکہ شک دور ہو جائے۔" امی جان کے کہنے پر حمنہ خاموشی سے کچن کی طرف چلی گئی۔ واپس آ کر کچھ نہیں بولی محض نفی میں سر ہلا دیا۔ حماد اس دوران تیزی سے لکھتا چلا جا رہا تھا، گویا بہن کی پریشانی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ امی جان کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ہاہووووو! میرا کام مکمل ہو گیا۔" وہ پُرجوش انداز میں چیخا۔

"حماد! بہن کی پنسل واپس کرو۔" امی سپاٹ لہجے میں بولیں۔

"میرے پاس نہیں۔۔۔"

"بری بات! پہلے بہن کو تنگ کیا، اب جھوٹ بھی بول رہے ہو۔" امی جان نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

وہ کچھ دیر امی کی طرف دیکھتا رہا، پھر سر جھکا کر بستے سے پنسل نکال کر حمنہ کی کاپی کے اوپر رکھ دی۔ "ایسا کیوں کیا آپ نے؟"

"کیوں کہ بھائی آج کا انعام جیتنا چاہتے تھے۔" جواب حمنہ نے دیا۔

"بیٹا! انسان کی فطرت میں جیت کی ہوس شامل ہے۔ وہ ہر جگہ، ہر مقام پر نمایاں رہنا چاہتا ہے، ہر مقابلہ جیتنا چاہتا ہے۔" امی نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا وہ توجہ سے ان کی بات سن رہے تھے۔

"جیت کا نشہ انسان کو یہ تمیز بھلا دیتا ہے کہ جیت جائز طریقے سے حاصل کی گئی ہے یا ناجائز، جیتنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دینا اچھا ہے، لیکن دھوکا دینا ہرگز جائز نہیں۔ اگر آپ جائز طریقے سے کامیابی حاصل کریں اور اس رستے میں دوسروں کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ کھڑا کرتے چلے جائیں تو دیکھنا جیتنے کی خوشی دوبالا ہو جائے گی۔ آپ کو تو چاہیے بہن کی بھی مدد کیجیے اور جسے بھی انعام ملے، وہ دوسرے کے ساتھ شیئر کر لے تو جیت کی خوشی کا مزہ ہر بار چکھ سکتے ہیں۔" دونوں توجہ سے امی کی باتیں سن رہے تھے۔ حماد کو اپنی زیادتی کا احساس ہو چکا تھا، اس نے بہن سے معافی مانگی، حمنہ مسکرا دی۔ ان کا پیار محبت دیکھ کر امی بھی مسکرانے لگیں۔

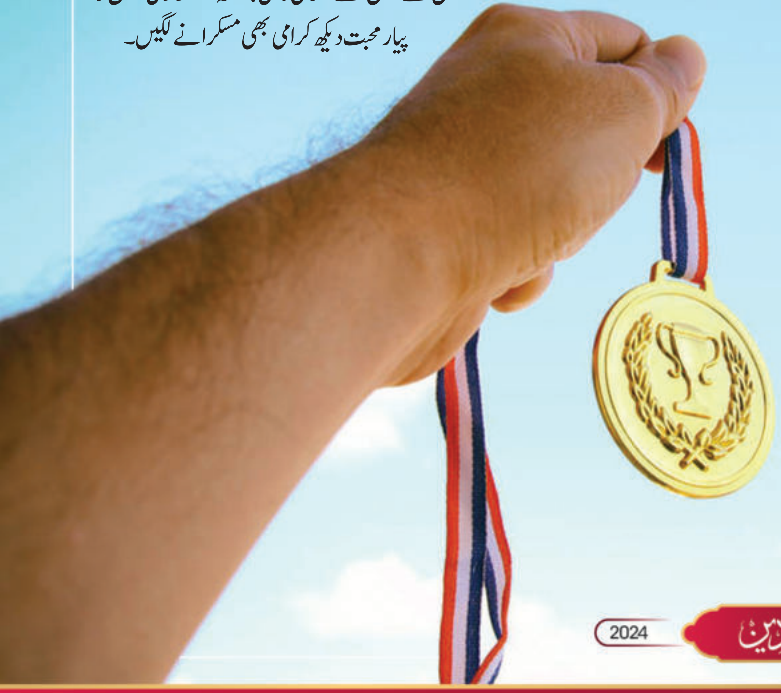

عیار مگرمچھ

مہوش اشرف

ایک دفعہ کا ذکر ہے، سائبیریا کے ایک گھنے جنگل میں ایک دریا تھا، جہاں ایک چالاک مگرمچھ رہتا تھا۔ دریا کی دوسری جانب بہت سے جانور ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے، لیکن جب بھی وہ دریا کا پانی پینے آتے عیار مگرمچھ ہمیشہ انھیں نقصان پہنچاتا، چاہے وہ شکم سیر ہی کیوں نہ ہو، ایسے میں تمام جانور بہت پریشان رہتے تھے۔

تمام جانور عیار مگرمچھ سے ڈرتے تھے، لیکن پانی پینے کے لیے گھنے جنگل میں صرف ایک ہی دریا تھا۔ اس لیے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ جانوروں کو اپنی جان خطرے میں ڈال کر پانی پینا پڑتا تھا، جس کے باعث وہ اکثر جانی نقصان اٹھاتے تھے۔ ایک دن تمام جانوروں نے جنگل کے بادشاہ ببر شیر سے شکایت کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ بادشاہ ببر شیر کے پاس گئے اور بیل نے سارا مسئلہ یوں بیان کیا۔

”عالی جاہ! جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔“

”اجازت ہے، کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔“ ببر شیر نے اجازت دیتے ہوئے کہا۔

بیل نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”عالی جاہ! جنگل کے جانور دریا میں رہنے والے عیار مگرمچھ سے نالاں ہیں۔ وہ ہم سب کو بلا جواز تنگ کرتا ہے۔ جنگل کے جانور پانی پینے جاتے ہیں اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ایسے میں تمام جانور انصاف چاہتے ہیں اور منتظر ہیں کہ آپ اپنی رعایا کے سر پر دستِ شفقت رکھیں گے۔“ بادشاہ ببر شیر نے بیل کی گفت گو اطمینان سے سنی پھر گویا ہوا۔

”گواہان کو سامنے لایا جائے، تاکہ ضابطے کی کارروائی آگے بڑھائی جاسکے۔“

بد قسمتی سے مگرمچھ کے خوف کی وجہ سے کسی کو گواہ بننے کی ہمت نہ ہوئی۔

بادشاہ ببر شیر نے کہا: ”بغیر گواہ کے میں کچھ نہیں کر سکتا، کیوں کہ مگرمچھ بھی میری رعایا کا حصہ ہے اور ایسے میں انصاف کے تقاضے پورے کرنا ضروری ہیں۔“

چالاک لومڑی بھی وہیں موجود تھی اور اس نے ساری کارروائی کی کہانی عیار مگرمچھ کے گوش گزار کر دی، پھر کیا تھا اچانک شکار اور چوٹ لگنے کے واقعات نے سر اُٹھالیا۔ تمام جانور بہت مایوس اور پریشان تھے۔

ایک دن دوسرے شہر سے ایک بگلہ آیا۔ اس نے بتایا کہ جنگل کے قریب ہی ایک اور ندی بھی ہے، جہاں کا صاف شفاف پانی ٹھنڈا میٹھا اور مزے دار ہے۔ تمام بزدل جانوروں نے وہاں پانی پینے کا فیصلہ کیا۔ مسئلہ دریا پار کرنے کا تھا، کیوں کہ دریا کے بیچوں بیچ عیار مگرمچھ تھا۔

بگلے نے انھیں دریا کے دوسری جانب گھاس کے میدان کے بارے میں بتایا۔

چالاک لومڑی نے عیار مگرمچھ کو جانور کے نئے دوست اور اس کی ترکیب کے بارے میں ایک ایک بات تفصیل سے بتائی دی۔

جب کبھی بھی جانور گھاس کے میدانوں سے دریا کو پار کرنے کی کوشش کرتے تو ان میں سے ایک جانور زخمی ہو جاتا۔

ایک بکری کو یہ سب بہت برا لگ رہا تھا۔ وہ ہمت کر کے بادشاہ ببر شیر کے پاس گئی اور عیار مگرمچھ کے بارے میں سب کچھ بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ گواہی دینے کو تیار ہے۔ یہ سن کر باقی تمام جانوروں نے بھی ہمت باندھ لی اور گواہ بننے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب چالاک لومڑی نے تمام جانوروں کا اتحاد دیکھا تو اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

بادشاہ نے عیار مگرمچھ کو بلایا اور تمام الزامات کے بارے میں پوچھا۔ عیار مگرمچھ اکیلا تھا، کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ تمام الزامات ایک ایک کر کے ثابت ہوتے گئے۔ عیار مگرمچھ کو قصوروار پایا گیا اور بادشاہ نے اسے جلاوطن کرنے کا فیصلہ کیا۔ تمام جانور خوش تھے، یوں جنگل میں امن بحال ہو گیا اور تمام جانور ہنسی خوشی سے رہنے لگے۔

کہانی سے یہ پتا چلا، اللہ اُن کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

محمد اسماعیل میرٹھی

سچ کہو، ہمیشہ سچ

سچ کہو سچ کہو ہمیشہ سچ
ہے بھلے مانسوں کا پیشہ سچ
سچ کہو گے تو تم رہو گے عزیز
سچ تو یہ ہے کہ سچ ہے اچھی چیز
سچ کہو گے تو تم رہو گے شاد
فکر سے پاک رنج سے آزاد
سچ ہے سارے معاملوں کی جان
سچ سے رہتا ہے دل کو اطمینان
جس کو سچ بولنے کی عادت ہے
وہ بڑا نیک باسعادت ہے

آتشِ نمرود

ڈاکٹر الماس روحی

اللہ پاک کے تمام نبیوں میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا خاص مقام ہے۔ خلیل اللہ یعنی اللہ کے دوست حضرت ابراہیم علیہ السّلام بہت مہمان نواز تھے۔ آپ علیہ السّلام بہت بڑے دستر خوان کا اہتمام کرتے، جہاں پر مخلوقِ خدا آ کر کھانا کھاتی۔ آپ علیہ السّلام لوگوں کو کھانا کھلاتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرتے کہ اللہ نے انھیں لوگوں کی تواضع کا موقع دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام لوگوں کو اللہ کا پیغام دیتے اور بت پرستی سے روکتے، لیکن وہ آپ کی بات نہ مانتے۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ایک دن بت خانے کے سارے بت توڑ دیے، سوائے بڑے بت کے، جس کے کاندھے آپ نے کلہاڑا رکھ دیا۔ جب لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے پوچھا: ”یہ حرکت کس نے کی ہے؟ کس نے ہمارے بتوں کو پاش پاش کر دیا ہے؟“ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جواب دیا: ”یہ اپنے اس بڑے بت سے پوچھو یہ تمھیں بتائے گا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے۔“ چند لمحے سب خاموش کھڑے رہے، پھر کھسیانے ہو کر کہنے لگے: ”تم جانتے تو ہو یہ بول نہیں سکتے۔“ حضرت ابراہیم علیہ السّلام بولے: ”تمہارا خدا نہ بول سکتا ہے، نہ دیکھ سکتا ہے، نہ تمہارے کھانے کھا سکتا ہے، پھر یہ بت تمہارا خدا کیسے ہوا؟“ اپنے بتوں کی توہین اُنھوں نے برداشت نہ کی اور بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے۔ بادشاہ نمرود کے حکم پر محل کے سامنے چٹیل زمین کا انتخاب کیا گیا۔ لوگوں نے کئی ماہ مل کر بڑا گہرا گڑھا کھودا۔ عورتوں اور بچوں نے تین ماہ میں گڑھے کو لکڑیوں سے بھر دیا اور آگ لگا دی گئی۔ یہ کفار کا فیصلہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جلا دو، اگر اپنے خدا کی مدد کرنی ہے، تبھی ہمارے خداؤں کی قوّت باقی رہے گی۔ وہ آگ بھڑکتے بھڑکتے اتنی بڑھی کہ اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ یہ آگ اتنی بڑی تھی کہ لوگوں نے روئے زمین پر نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد ایسی آگ دیکھی۔ اس گڑھے کو لکڑیوں سے پُر کرتے ہوئے بیمار عورتیں اپنی صحت کی نذر مانتیں، اس آگ کے شعلوں کی تپش اتنی تھی، پرندے اس آگ کے آس پاس بھی اُڑ نہیں سکتے تھے۔ زمین اس آگ کی تپش سے تپ رہی تھی۔ آسمان شعلوں کی زد میں سُرخ ہو رہا تھا۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں کی تیز حرارت سے آس پاس اُڑتے پرندے جل بھن کر زمین پر گر رہے تھے۔ سب سوچ رہے تھے کہ آگ تو جلا دی گئی ہے، لیکن اس میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو کس طرح ڈالا جائے؟ تا کہ وہ جل کر نعوذ باللہ! خاک ہو جائیں۔ آخر ایک فارسی اعرابی ہیزن نام کے آدمی کو شیطان نے بہکایا اور اس نے لوگوں کو مشورہ دیا۔ ایک توپ ”منجنیق“ تیار کرائی جائے۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو بٹھا کر جھولا جھلا کر پھینک دیا جائے، چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اس آگ کے سمندر میں پھینکا گیا تو سارے فرشتے اور زمین و آسمان میں رہنے والی تمام مخلوق چیخ اٹھی، یارب! ابراہیم پر کیا گزر رہی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا: ”تم حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی مدد کرو۔“ جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی مدد کی ان سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ میرے لیے اللہ کافی ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السّلام حاضر ہوئے: ”آپ کو میری مدد کی ضرورت ہے تو میں کوئی خدمت انجام دوں؟“ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جواب دیا: ”مدد کی حاجت تو ہے، مگر آپ سے نہیں، اپنے اللہ پاک سے ہے جو میرا حال دیکھ رہا ہے؟“ چناں چہ پروردگارِ عالم نے آگ کو حکم دیا: ”اے آگ! (حضرت) ابراہیم (علیہ السّلام) پر ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی بن جا۔“ دوسری طرف بارش پر مامور فرشتہ کھڑا تھا کہ کب مجھے اللہ کا حکم ہو گا؟ تو بارش برسا کر آگ کو ٹھنڈا کر دوں گا، لیکن ادھر تو اللہ نے آگ ہی کو ٹھنڈا ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جس جھولے میں بٹھا کر پھینکا گیا، اسے ”منجنیق“ کہا گیا، جس کے مشورے پر یہ ناپاک کام کیا گیا اسی وقت ہیزن نامی آدمی اللہ کے حکم سے زمین میں دھنستا گیا اور جو زمین میں قیامت تک دھنستا ہی رہے گا۔ گاؤں کے وہ سارے لوگ جو آگ کے چاروں طرف کھڑے تھے، اس آگ کے شعلوں کو دیکھ کر خوشی سے اُچھل کود رہے تھے، ساتھ ہی یہ لوگ ناچ اور گا رہے تھے۔ ان کہنا تھا: ”ابراہیم کی موت ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہی ہے۔ اس طرح دیوتاؤں کی ناراضی دور ہو جائے گی۔ وہ ہم سے راضی ہو جائیں گے۔ ہماری روحیں حضرت ابراہیم کے جلنے سے پاک صاف ہو جائیں گی۔“ بظاہر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو لوگ جلتا دیکھ رہے تھے، آگ کے چمکتے بھڑکتے شعلے آسمان کو چھو رہے تھے، تپتے آسمان سے پرندے آس پاس زمین پر گر رہے تھے، آگ کی تیز آنچ سے زمین کی تپش اتنی بڑھ چکی تھی، پھول پودے سب جل رہے تھے، مگر حضرت ابراہیم علیہ السّلام بے فکر تھے۔ انھیں اللہ پر یقین تھا۔ اللہ کا حکم ملتے ہی چند لمحوں میں آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ یہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السّلام تو آگ میں صحیح سلامت تھے۔ لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے گئے، تیز آنچ والی آگ کے درمیان حضرت ابراہیم علیہ السّلام آرام سے بیٹھے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر لوگ زمین پر گر پڑے۔ کہتے ہیں جس دن وہ آگ تیز ہوئی تو جانور بھی اس آگ کو بجھانے کے لیے نکلے اور پرندے بھی، ایک ننّھی منی چڑیا بھی اپنی چونچ میں پانی لائی تھی اور کہہ رہی تھی کہ قیامت کے روز آگ بجھانے والوں میں میرا نام بھی آئے گا، جبکہ گرگٹ کو ہمارے اسلام میں مارنے کا حکم دیا ہے اور گرگٹ کو فاسق کا نام دیا گیا ہے، کیوں کہ اس نے آگ کو اپنی پھونکوں سے تیز کیا تھا۔ ایک رئیس نمرود کے ساتھ بیٹھا آگ دیکھ کر بہت خوش ہو رہا تھا کہ اچانک اس سے ایک چنگاری اُڑ کر اس کے انگوٹھے پر پڑی، وہ روئی کی طرح جلتا چلا گیا۔ جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے منہ مبارک سے نکلا ”حسبی اللہ نعم الوکیل“ میرے لیے اللہ کافی ہے، وہ اچھا کارساز ہے۔ یہ دعائے ابراہیمی ہر مشکل ہر کٹھن گھڑی میں کثرت سے آج بھی پڑھی جاتی ہے۔ اس کے پڑھنے سے ہر مشکل ترین گھڑی آسان ہو جاتی ہے، یہ ایک معجزہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جس

"تم کتنی پاگل ہو نا، اُلو کی پٹھی۔" حنا نے ہنستے ہوئے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

"کیوں؟ ایسا کیا کر دیا میں نے۔" فری نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ارے ے ے! تمہیں بالکل بھی فیشن کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔" حنا اب قہقہ لگا کر ہنس رہی تھی۔

فری کو حنا کا یوں مذاق اڑانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"صحیح کہتی ہوں میں، تم واقعی الو کی پٹھی ہو۔" ایک بار پھر سے حنا نے اسے لتاڑا۔

فری کی نادانی

فاکہہ قمر

فری گاؤں کی رہنے والی، ایک سیدھی سادی سی لڑکی تھی جو چھٹیاں گزارنے شہر اپنے تایا کے گھر آئی تھی، اس کی تایازاد حنا بہت فیشن ایبل اور ماڈرن تھی۔ اسی لیے وہ فری کا مذاق اڑا رہی تھی، لیکن حنا بار بار اسے الو کی پٹھی کہہ رہی تھی۔ فری کو اس کا مطلب تو معلوم نہیں تھا، لیکن چوں کہ حنا نے کہا ہے تو یقیناً بہت معقول لفظ ہو گا۔ یہی سوچ کر وہ رہ گئی تھی۔

ایک ہفتہ گزارنے کے بعد جب فری واپس گاؤں گئی تو اس کا حال، چال، روپ گویا سب کچھ تبدیل ہو گیا تھا۔ یہ تبدیلی حنا کی صحبت کی وجہ سے آئی تھی۔ فری جو کچھ شہر اور ادھر کے ماحول سے سیکھ کر آئی تھی، وہی کچھ وہ ادھر بھی سب کو سکھا رہی تھی، جس میں ایک عجیب و غریب لفظ 'الو کی پٹھی' بھی شامل تھا۔ فری کی زبان پر یہ لفظ چڑھ گیا تھا، اب وہ بھی اکثر جب بھی کسی کو ڈانٹتی تو یہی لفظ کہتی تھی۔ ایک دن دادا جان نے فری کے منہ سے یہ لفظ سن لیا تو حیرت کا شکار ہو گئے۔

"ادھر آؤ استانی صاحبہ!" دادا جان نے رعب دار آواز میں بلایا۔

"جج... جی دادا جی۔" فری نے گھبرا کر جواب دیا۔

"یہ تم کیا سارا دن 'الو کی پٹھی' کی گردان کرتی رہتی ہو؟ اس کا مطلب بھی جانتی ہو تم؟" دادا جان کے اس انداز پر فری کی تو روح تک کانپ گئی تھی۔

"نن، نہیں۔" فری نے ڈرتے ڈرتے مختصر سا جواب دیا۔

"ارے نادان! الو ایک پرندہ ہے، جو ساری رات جاگتا ہے اور دن میں سوتا ہے اور الو کی پٹھی یعنی کہ الو کے بچے، الو کے بچوں کو الو کا پٹھا یا الو کی پٹھی کہتے ہیں۔" دادا جان نے تفصیل سے فری کو بتایا۔

"ہیں ں ں ں، الو کے بچے؟؟؟" فری تو مارے حیرت کے آنکھیں پھاڑے دادا جان کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ خود اس لفظ کا مطلب نہیں جانتی تھی۔

"کہاں سے سیکھ لیا ہے تم نے یہ لفظ؟" دادا جان نے اس سے پوچھا۔

"وہ دادا جی! جب میں شہر گئی تھی تو حنا کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا، مجھے لگا یہ اچھا لفظ ہے، اس لیے وہ بول رہی ہے تو میں نے اس کی نقل کر لی۔" فری نے نہایت معصومیت سے جواب دیا۔

"بہت اچھے بیٹا! اُس بے وقوف نے غلطی کی تھی اور تم نے بھی اس کی نقل کر لی۔ وہ کہتے ہیں نا "نقل کے لیے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔" تمہیں چاہیے تھا کہ تم کسی بڑے سے اس کا مطلب پوچھتی اور پھر اسے استعمال کرتی۔" دادا جان نے اپنی معصوم پوتی کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے کہا۔

"معذرت دادا جان! مجھ سے غلطی ہو گئی ہے" فری نے نادم ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"چلو خیر! اب تو غلطی ہو گئی، لیکن آیندہ احتیاط کرنا، جب تک خود کوئی بات معلوم نہ ہو، اس کی تشہیر بھی مت کرو۔" دادا جان نے فری کو نصیحت کی، تاکہ وہ آیندہ نہ ایسا کرے اور نہ شرمندہ ہو۔

جھولے میں بٹھا کر پھینکا گیا تھا، اس کی رسیاں آگ نے جلا دیں، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ایک رونگٹے کو بھی آگ نہ جلا سکی۔ اس وقت ابراہیم علیہ السّلام کی عمرِ مبارک سولہ سال کی تھی اور کئی روایات میں ۲۶ سال بتائی گئی ہے۔ آپ اس آگ میں سات دن رہے۔ آپ فرماتے تھے کہ جس قدر راحت، خوشی اور سکون مجھے وہاں حاصل تھا، اس قدر پھر کبھی نہ ملا، جس روز یہ واقعہ ہوا اس روز دنیا بھر کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اس دن آگ سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام جب آگ سے نکلے تو آپ کو صحیح سلامت دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ آپ کے والد آذر نے سب سے اچھا کلمہ کہا: "اے ابراہیم! تیرا رب بڑا اور بزرگ ہے۔" حضرت ابراہیم علیہ السّلام فرماتے تھے، جب مجھے آگ میں ڈالا گیا تو اللہ کے حکم سے فرشتوں نے بازو سے مجھے پکڑ لیا اور آرام سے بٹھایا۔ چند لمحوں کے بعد ایک فرشتے نے مجھے خلعت فاخرہ پہنایا، میرے آس پاس گلِ ریحان اور سبزے اور پھولوں کے باغات تھے، وہاں میٹھا چشمہ جاری کیا گیا تھا۔ حضرت اسرافیل صبح و شام وہاں لذیذ کھانے پہنچاتے، وہاں ہر وقت خوشی کا ماحول تھا۔ ادھر سات روز بعد بادشاہ نمرود یہ سمجھا کہ اب تک آگ بجھ گئی ہو گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نعوذ باللہ! ختم ہو چکے ہوں گے۔ وہ محل کے اونچے حصے میں چڑھتا اور روز آگ کا نظارہ کرتا، دل میں اسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے خوف آتا تھا، اگر ابراہیم اپنے خدا کی مدد سے زندہ نکلے گا تو میرے ملک کو تباہ ہو جانا پڑے گا، وہ یہ ڈر اپنے ساتھیوں کو بیان کرتا، اس کے وزیر و مشیر کہتے: "بادشاہ سلامت! آپ تسلی رکھیں، اس آگ میں پتھر کا ٹنا بھی ڈالا جائے تو وہ بھی پگھل جائے، ابراہیم بھلا کیسے بچیں گے" اس دن اس نے ابراہیم علیہ السّلام کو باغوں کے درمیان خوشی اور اطمینان کے ساتھ بیٹھا دیکھا تو وہ شرمندہ ہوا، ضرور اس کا پروردگار بڑی طاقت والا ہے، اب اسے یقین ہو گیا، اس کی حکومت نہ رہ سکے گی۔

پیارے بچو! اس قرآنی واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمارا اللہ پر یقین پختہ ہو، تب ہم دین اور دنیا میں کام یاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مشکل آسان کرتا ہے اور ہر خطرے سے بچاتا ہے۔ ہمارے بڑے کہتے ہیں: "مارنے والے سے بچانے والا طاقت ور ہوتا ہے، یعنی اللہ پاک!"

مشکل الفاظ	معنی	مشکل الفاظ	معنی
اہتمام	انتظام	چٹیل	سخت/بنجر
تپ	گرم	پاش پاش	ٹکڑے ٹکڑے
توہین	بے عزتی	تپش	گرم ہونا
رونگٹے	بال	خلعت فاخرہ	بادشاہ کا لباس
فاسق	جھوٹا	گلِ ریحان	خوشبودار پھول

حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ

بنتِ تاجور

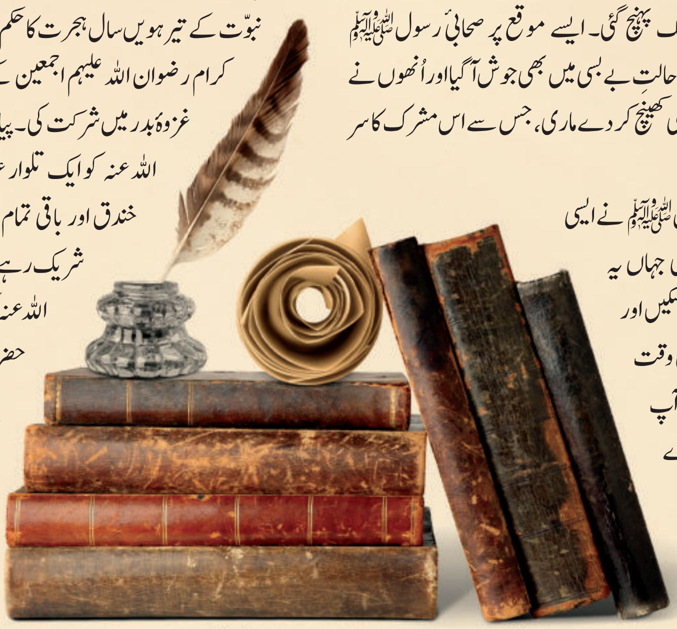

حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار السابقون الاوّلون میں ہوتا ہے۔آپ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ایمان لائے، اسلام لانے والوں میں آپ کا ساتواں نمبر تھا۔اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرتِ نبوی تک آپ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں ہی مقیم رہے، گویا سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لیے مصائب سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھلتے رہے۔ایمان لانے والے یہ دس بارہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عموماً مکہ مکرمہ کی ویران و سنسان گھاٹیوں میں معبودِ حقیقی کی پرستش و عبادت فرمایا کرتے تھے۔ایک دن ایک گھاٹی میں چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ساتھ مصروفِ عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آنکلی اور وہ سب مل کر اسلام کا مذاق اُڑانے لگے۔

اس وقت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور تمام مسلمانوں کی زندگیاں سخت خطرے میں تھیں۔ اسلام کے ابتدائی ایّام تھے۔ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ ایسے موقع پر صحابیٔ رسول ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس حالتِ بے بسی میں بھی جوش آگیا اور اُنھوں نے ان کافروں میں سے ایک شخص کو اونٹ کی ہڈی کھینچ کر دے ماری، جس سے اس مشرک کا سر پھٹ گیا۔

اس واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ نے ایسی محفوظ جگہ کی ضرورت شدّت سے محسوس کی جہاں یہ نہتے اور معصوم مسلمان اکٹھے ہو کر نماز ادا کر سکیں اور دین کی بنیادی تعلیم بھی حاصل کر سکیں۔ اس وقت حضرت ارقم رضی اللہ عنہ ایمان لا چکے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کا گھر صفا کی پہاڑیوں پر تھا جو قدرے محفوظ بھی تھا۔ لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے اس عظیم مقصد کے لیے اپنا مکان پیش کر دیا، جسے رسولِ اکرم ﷺ نے قبول فرما لیا اور یوں حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا دینِ اسلام کو وقف کردہ گھر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا اولین مرکز، دار السّلام اور دار الشوریٰ (مشورہ کرنے کا گھر) قرار پایا۔

حضرت سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر کو اسلام کی اوّلین درسگاہ اور عبادت گاہ قرار دینے میں کئی حکمتیں موجود تھیں۔ سب سے پہلی حکمت تو یہ تھی کہ قریشی خاندان سے نہ ہونے کی وجہ سے مشرکینِ مکہ کا آپ رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف دھیان نہیں جا سکتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ بنو مخزوم سے تھا، جبکہ بنو ہاشم اور بنو مخزوم کے درمیان عداوت (دشمنی) عروج پر تھی، ایسے میں کسی کا اس طرف دھیان نہیں جا سکتا تھا کہ ہاشمی نبی ﷺ پر ایمان لانے والوں کی تربیت بنی مخزوم کے کسی گھر میں ہو رہی ہے۔ مزید یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ گھر حرم شریف سے کافی فاصلے پر صفا کی پہاڑی پر تھا جو کہ کافی اونچائی پر تھا، جہاں سے نیچے لوگوں پر نظر رکھنا آسان تھا۔

معلّمِ اعظم ہادیٔ عالم ﷺ نے دارِ ارقم میں تشریف فرما ہو کر اسلام کے ان اوّلین اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت فرمائی۔ بعض روایات کے مطابق کم و بیش ۵۰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس باسعادت و مبارک جگہ یعنی دارِ ارقم میں حاضر ہو کر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ ان خوش نصیبوں میں حضرت عمار بن یاسر، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عاقل و عامر و حضرت ایاس و حضرت خالد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام نمایاں ہیں۔ اسی مقام پر سید الشہدا جناب حضرت سیدنا امیرِ حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ الکریم کی معیت میں محتاط ہو کر قبیلہ غفار سے آنے والے حضرت سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی یہیں اسلام لائے اور پھر جا کر اپنا پورا قبیلہ دائرۂ اسلام میں داخل کیا۔ اسی دارِ ارقم پر خاتم النبیین محمد ﷺ نے دونوں عمر میں سے ایک کے قبولِ اسلام کی دعا فرمائی، جا اللہ سبحانہ نے عمر بن خطاب کے حق میں قبول فرمائی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کا اعلان فرمایا تو اس وقت دارِ ارقم "نعرۂ تکبیر اللہ اکبر" کے نعروں سے گونج اٹھا تھا، پھر اسی مقدّس مکان سے مسلمان کعبے میں داخل ہو کر علی الاعلان عبادتِ الٰہی کرنے لگے۔

نبوّت کے تیرہویں سال ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت ارقم رضی اللہ عنہ بھی دوسرے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ پیارے آقا ﷺ نے مالِ غنیمت میں سے آپ رضی اللہ عنہ کو ایک تلوار عنایت فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ، غزوۂ احد، غزوۂ خندق اور باقی تمام غزوات میں سپہ سالارِ اعظم ﷺ کے شانہ بشانہ شریک رہے۔ آپ ﷺ نے صدقات جمع کرنے پر آپ رضی اللہ عنہ کو عامل (کارکن، کارندہ) بھی مقرر کیا۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ مختلف جاگیروں (قطعۂ زمین یا گاؤں) کے مالک تھے، اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ کا ذریعۂ معاش تجارت تھی۔

آپ رضی اللہ عنہ کا شجرۂ نسب یہ ہے: ارقم بن ابی ارقم بن اسد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم۔

حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کا خاندان ایّامِ جاہلیت میں مخصوص عزّت و اقتدار کا مالک تھا۔ ان کے دادا ابو جندب اسد بن عبد اللہ اپنے زمانے میں مکہ کے ایک نہایت ممتاز، معزّز خاص رئیس سردار تھے۔ والدہ کا نام 'امیمہ بنتِ حارث' تھا جو قبیلۂ خزاعہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نیک اور سلیم الطبع تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے۔ اسی لیے آپ کو کاتبِ وحی کا رُتبہ ملا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نبیٔ محترم و مکرم ﷺ کے حکم پر ایک خط تحریر کیا جو قبیلۂ بنو محارب کے عظیم بن حارث کے نام تھا۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ، پیارے نبی ﷺ کے زمانۂ رسالت میں زکوٰۃ وصول کرنے کی خدمت پر مامور تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں بیت المال کے نگران بھی رہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ راتوں کو جاگ کر عبادت کرنے کا بے حد شوق تھا۔

روایات کے مطابق حضرت سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ نے تقریباً 85 سال کی طویل عمر پائی اور آپ کا وصال 53ھ یا 55ھ میں ہوا۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی نمازِ جنازہ حضرت سیدنا سعد ابنِ ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ جنت البقیع میں آپ رضی اللہ عنہ دفن ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کثیر اولاد میں عبید اللہ اور عثمان مشہور ہوئے۔

سازش

سمیرا انور

”میرے دوست تم کیوں گھبراتے ہو، میں ہوں نا تمہارے ساتھ!“ منکی کی آواز ان دونوں کے کانوں میں پڑی۔

”ہرنو! تم یہاں چھپ کر بیٹھے ہو اور میں نے تمہیں ہر جگہ تلاش کیا ہے۔“ اس کے دوست گینڈے نے گھاس پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”گینڈے میاں! اب تو دل کرتا ہے کہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھے رہیں، کیوں کہ حالات ہی ایسے ہوگئے ہیں۔“ ہرن کی معصوم آنکھوں میں خدشات ابھر آئے۔

”ہرنو! تم کیوں گھبراتے ہو، خود کو مضبوط بناؤ اور ہمت نہ ہارو۔“ وہ اس کا بچپن کا دوست تھا اور دونوں کی دوستی بے مثال تھی۔ ہر مشکل میں ایک ساتھ رہتے تھے، لیکن اب پریشانی تو انھیں سارے جنگل کی تھی، جس میں عجیب و غریب واقعات رونما رہے تھے۔ سب جانوروں کی آئے روز لڑائی اور جھگڑوں نے جنگل کے امن کو ختم کر دیا تھا۔ اب تو وہ ایک دوسرے کا بھی شکار کرنے سے باز نہیں آرہے تھے۔ کوئی ایسا تھا جو اس سارے فساد کی جڑ تھا۔ ہرنو اور گینڈا بھی اس کو تلاش کرنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ گینڈا ابھی بھی مایوس نہیں ہوا تھا، وہ پھر سے ہرنو کو اپنے ساتھ لے جانے آیا تھا، تاکہ اس دشمن کو تلاش کریں جو ان کے جنگل کا ماحول خراب کرنا چاہ رہا ہے۔

آخر وہ دونوں آگے پیچھے چل پڑے، ابھی وہ کچھ دور ہی پہنچے تھے کہ راستے میں ان کو بومی بھالو مل گیا، جس کے چہرے سے خون بہ رہا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر وہ رک گئے۔

”بومی! تمہاری یہ حالت کس نے کی ہے؟“ ہرنو نے پریشانی سے پوچھا۔

”مجھے ڈمی نے بہت بے دردی سے مارا ہے۔“ اس نے اپنے ساتھی ڈمی بھالو کا نام لیتے ہوئے کہا، حالاں کہ وہ بہت اچھے دوست تھے اور اکثر ایک ساتھ دکھائی دیتے تھے۔ ہرنو اور گینڈے نے اس کے زخم صاف کر کے دوا لگا دی اور اس سے ڈمی بھالو کے گھر کا پوچھ کر وہاں سے چل دیے۔

ڈمی بھالو مزے سے شہد کھاتے ہوئے جھوم رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر منکی کیلے کھانے میں مگن تھا۔ ہرنو اور گینڈے نے ڈمی بھالو کو آواز دی۔ وہ ان دونوں کو اپنے گھر پر دیکھ کر بہت حیران ہوا، پھر جب ہرنو نے اسے باہر آنے کے لیے کہا تو وہ غصے سے بولا: ”کس مقصد کی خاطر آئے ہو؟“ گینڈے نے اس کے جواب میں کہا: ”ہم بومی بھالو کے بارے میں پوچھنے آئے ہیں، تم نے اسے کیوں مارا ہے؟“

”اوہ! اچھا تو اس نے تم دونوں کو بتایا ہے۔ اس کی یہ ہمت کہ میری بات کسی کو بتائے، اب اسے نہیں چھوڑوں گا۔“ وہ چیخنے لگا۔

ڈمی اور منکی دونوں گھر سے باہر آگئے۔ ”اب بتاؤ، کیا کہنا چاہتے ہو؟“ ڈمی نے اُچھل کر ان کی طرف بڑھنا چاہا۔ منکی بھی شیطانی انداز سے مسکرانے لگا۔ گینڈے کو اس پر شک ہونے لگا کہ ہو سکتا ہے کہ وہی جنگل کی پریشانی کی وجہ ہو۔ اپنے شک کی تصدیق کے لیے اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور منکی کو اٹھا کر تیزی سے ایک طرف دوڑنے لگا، ہرنو بھی اپنے دوست کا انداز سمجھ گیا اور وہ بھی اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔ ڈمی نے ان کے پیچھے آنا چاہا، لیکن گینڈے کی خوف ناک دہاڑ سے وہیں پر رُک گیا۔ منکی کو گنے کے کھیت میں لے جا کر باندھ دیا۔ منکی تو ڈر کے مارے سہم گیا۔

”اب بتاؤ! تم نے کس طرح جنگل کے جانوروں میں فساد پھیلایا ہے؟“ گینڈے نے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، میں تو صرف ڈمی سے ملنے آیا تھا۔“ وہ کانپتے ہوئے کہنے لگا۔

”تم سچ اُگل دو تو بہتر ہے، ورنہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا، کچھ ہی لمحے بعد تم میرا شکار بن سکتے ہو، اس لیے سب جلدی سے بتا دو۔“

”میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، وہ تو۔۔۔“ ابھی وہ کہنے لگا تھا کہ گینڈے کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر تیزی سے پھر سے بولا: ”ٹھہرو! میں سب بتاتا ہوں۔“

منکی بندر نے سب اُگل دیا کہ جنگل کا امن دیکھ کر وہ خوش نہیں تھا اور اس نے سب کو اپنی چغل خوری میں لپیٹ لیا اور ایک دوسرے کے خلاف کان بھرنے شروع کر دیے، جس کے نتیجے میں سب ایک دوسرے کے مخالف ہوگئے۔ ہرنو اور گینڈے کو اس پر بہت زیادہ غصہ تھا، لیکن منکی نے سچ بول کر معافی مانگ لی تھی اور وعدہ کر لیا کہ وہ جنگل کے سب مکینوں کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرے گا اور ان سے معافی بھی مانگے گا۔ کچھ روز بعد جنگل کا سماں پہلے جیسا ہو گیا۔ سب کے سامنے منکی کی اصلیت آچکی تھی، مگر وہ اسے معاف کر چکے تھے، کیوں کہ غلطی ان کی بھی تھی جو بغیر سوچے سمجھے اس کی باتوں میں آگئے تھے۔ جنگل کے سبھی جانوروں نے عہد کر لیا تھا کہ اب کبھی کسی سازش کا شکار نہیں ہوں گے۔

خرگوش کچھوے کی کہانی

بنت مسعود احمد

آؤ سن لو ایک کہانی — ہے کہانی کچھ یہ پرانی
اک خرگوش تھا پھرتیلا سا — اپنی خوبی پر اتراتا
کچھوے کی سستی پر اکثر — بے چارے کا مذاق اڑاتا
سوجھی اس کو ایک شرارت — کچھوے کو دی اس نے دعوت
آؤ کھاؤ گاجر سبزی — آؤ کچھ تو تم میں چستی
کچھوے بھیا لے لو گاجر — دوڑ لگانا پھر یہ کھا کر
دوڑتے میرے دادا ہارے — تھے تمہارے دادا جیتے
اب دیکھیں پوتے کی چستی — یا تم میں ہے بس یہ سستی
بات سنو تم غور سے میری — دوڑ نہ تھی وہ میری تیری
جو گزرا ہے اس سے سیکھو — باتوں کو تم میری سمجھو
کام میں کرتا ہوں سستی سے — اور تم کرتے ہو چستی سے
میری تیری یہ خصلت ہے — مالک کی قدرت حکمت ہے
جیت ہے بھیا اک عادت کی — ڈالو عادت بس محنت کی
محنت کو چھوڑے ہے جو بھی — بس بھیا ہارے ہے وہ ہی

بچوں کے فن پارے

زویا فہد 12 سال کراچی

عائشہ رئیس 9 سال راول پنڈی

عنایا زینب 11 سال راول پنڈی

عنایا عامر 11 سال سیالکوٹ

فاطمہ بنت رئیس 12 سال اورنگ آباد انڈیا

محمد بن فیض 12 سال حیدر آباد

مستبشرہ مریم 11 سال قصور

میرب فاطمہ،13 سال فیصل آباد

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپےانعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ اسلام آباد سے **عائشہ گوہر** کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

ماہنامہ فہم دین
اکتوبر 2024ء کے سوالات

سوال 1: فرہاد سے کیا غلطی ہوئی؟

سوال 2: عفان کیا ڈھونڈ رہا تھا؟

سوال 3: گل کس کے ساتھ رہتی تھی؟

سوال 4: اطہر ہفتے کے کون سے دن بہت خوش ہوتا تھا؟

سوال 5: عربی میں ایکہ کسے کہتے ہیں؟

ستمبر 2024ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: 1757

جواب 2: خون

جواب 3: اداس

جواب 4: مکہ مکرمہ 598

جواب 5: ایک ہزار سال بعد

چھوٹی سی بات!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پیارے بچو!

کیسے ہیں آپ سب؟

ہمیں کچھ شکایتیں ملی ہیں کہ آپ لوگ لڑتے جھگڑتے ہیں، بھیا آتے جاتے بہنا کی پونی کھینچ لیتے ہیں۔ اور بہنا بھی بھیا کو کوئی نہ کوئی بات سنا دیتی ہیں۔ اور اس سب سے امی جان پریشان رہتی ہیں۔ امی جان پھر آپ کے ابو جان کو بتانے پر مجبور ہوتی ہیں جس کا نتیجہ خوش گوار نہیں نکلتا۔

چلیں بھئی لڑنے جھگڑنے کا گندا کام چھوڑیں۔ کوئی دل چسپ مشغلہ اپنائیں۔ کہانیاں پڑھنا، پودے لگانا، ڈرائنگ کرنا، خوبصورت مناظر کی کیمرے کی مدد سے تصویریں بنانا، چوزے/پرندے پالنا، پھول، پتے خشک کر کے ان کا البم بنانا، ٹکٹ، سکے اور رنگین پتھر جمع کرنا، سجاوٹ کے لیے چھوٹی چھوٹی چیزیں جیسے موم بتیاں وغیرہ بنانا بہت مزے کے مشاغل ہیں۔ مشاغل نہ صرف فارغ وقت کو کار آمد بناتے ہیں بلکہ یہ ہماری شخصیت کی تعمیر میں بھی مددگار ہوتے ہیں۔

تو پھر آج سے آپ کون سا مشغلہ اپنا رہے ہیں؟ ہمیں بھی بتائیے گا! انتظار رہے گا۔

ستمبر 2024ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر شہداد پور سے بتول فاطمہ کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!!

یہ سوالات ستمبر 2024 کے شمارے سے لیے گئے۔ جوابات کی آخری تاریخ 15 اکتوبر 2024ء ہے

بلاعنوان کا عنوان

ستمبر 2024ء میں عمارہ فہیم کی بلاعنوان کہانی شائع ہوئی، کراچی سے آبلہ نور کا دیا عنوان انعامی قرار پایا ہے
ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

حافظہ وُسطیٰ چودھری

ہمارے صحابہ سا کوئی نہیں ہے
نہ ہو گا کبھی بھی یہ کامل یقیں ہے

عمر ہوں یا صدیق، عثمان، حیدر
حذیفہ ہریرہ کہ حمزہ ابوذر

لبابہ، مغیرہ، ہوں خالد، اسامہ
عکاشہ، خزیمہ یا حضرت ثمامہ

نجاشی ہیں حبشی ہیں یا بابلی ہیں
نبی جی کے دل کے سبھی ہی قریں ہیں

ہمارے صحابہ سا کوئی نہیں ہے
نہ ہو گا کبھی بھی یہ کامل یقیں ہے

بتاپائیں کیوں کر وہ کتنے تھے پیارے
وہ ہادی، وہ رہبر وہ تاباں، ستارے

ذہیں بھی، حسیں بھی، حیادار بھی تھے
محب تھے نبی کے وہ غم خوار بھی تھے

سخاوت، شجاعت، عدالت نرالی
کہ کردار اعلیٰ، خلافت مثال

حیاتِ صحابہ بڑی دل نشیں ہے
نبی جی کے یاروں پہ صد آفریں ہے

ہمارے صحابہ سا کوئی نہیں ہے
نہ ہو گا کبھی بھی یہ کامل یقیں ہے

سنا کیسے ہم پائیں ان کی کہانی
وہ ایسے تقی تھے نہیں جن کا ثانی

کہ باہم تھی نرمی، وہ دشمن پہ برہم
وہ دل دار دلبر نبی کے تھے ہمدم

خدا ان سے راضی وہ راضی خدا سے
محبت بہت تھی انہیں مصطفٰی سے

قمر سے درخشاں وہ مثلِ نگیں ہیں
اطاعت کے پیکر، وہ روشن جبیں ہیں

ہمارے صحابہ سا کوئی نہیں ہے
نہ ہو گا کبھی بھی یہ کامل یقیں ہے

وہ آہن کی صورت تھے ڈٹ جانے والے
نبی کی محبت میں کٹ جانے والے

خدا کے سوا وہ کسی سے نہ ڈرتے
نہ پروا کسی کی ملامت کی کرتے

یہ دیں پھیلا دنیا میں ان کے ہے دم سے
رہے تھے ملا کر قدم وہ قدم سے

وہ رشکِ فلک ہیں وہ رشکِ زمیں ہیں
کہ وسطیٰ جہاں میں نہ ان سے کہیں ہیں

ہمارے صحابہ سا کوئی نہیں ہے
نہ ہو گا کبھی بھی یہ کامل یقیں ہے

رُتوں کی طرح رخ بدلتا بہت ہے

شمائلہ شکیل

سدا مجھ کو الجھن میں رکھتا بہت ہے
جو سلجھا ہوا خود کو کہتا بہت ہے

نرالا ہے قانون میرے لیے تو
مگر وہ اصولوں سے ہٹتا بہت ہے

محبت وعزت، کبھی بھرم رکھنا
وہ ان سے ہمیشہ ہی کٹتا بہت ہے

زمانے گئے، مجھ کو علم اب ہوا کہ
فریبی صفوں میں وہ جچتا بہت ہے

وہ سرسوں جماتا ہتھیلی پہ خود تو
مری بات پہ بھرابنتا بہت ہے

شرافت، مروت سے آراستہ ہو
وہ ایسوں سے نفرت اگلتا بہت ہے

کبھی کچھ کہے، تو کبھی مکر جائے
رتوں کی طرح رخ بدلتا بہت ہے

وہی خدا ہے

شاعر: ابرار کرت پوری، انتخاب: امجد علی لاہور

صراط ہے مستقیم جس کا، ہے پاک قرآن عظیم جس کا
جہاں کے سب رہ بران اعظم کا رہنما ہے وہی خدا ہے

کہاں ثنائے امین قدرت کہاں میں ابرارؔ بے بضاعت
جو حمد کہنے کا مجھ کو اعزاز دے رہا ہے وہی خدا ہے

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

حمدِ باری تعالیٰ

ضیائے کون و مکاں لا الٰہ الا اللہ
بنائے نظمِ جہاں لا الٰہ الا اللہ

شفائے دردِ نہاں لا الٰہ الا اللہ
سکونِ قلبِ تپاں لا الٰہ الا اللہ

نفس نفس میں رواں لا الٰہ الا اللہ
رگِ حیات کی جاں لا الٰہ الا اللہ

بدستِ احمدِ مرسل بفضلِ ربِّ کریم
ملی کلیدِ جناں لا الٰہ الا اللہ

دلوں میں جڑ جو پکڑ لے تو رگ و بار آئیں
ابھی ہے زیرِ زباں لا الٰہ الا اللہ

ہے تار تار اسی سے تو چادرِ ظلمت
چراغِ نور فشاں لا الٰہ الا اللہ

شجر حجر ہوں کہ جنّ و بشر کہ ماہی و مرغ
سبھی کے وردِ زباں لا الٰہ الا اللہ

سرور و کیف و حلاوت نظرؔ جو ہے درکار
صباح و شام بخواں لا الٰہ الا اللہ

عبدالحمید صدیقی

"زہد" کی حقیقت

آج بھی ایک بہت بنیادی اخلاق کا بیان ہے، جس کو "زہد" کہا جاتا ہے۔ آپ حضرات نے یہ لفظ بہت سنا ہوگا کہ فلاں شخص بڑا عابد اور زاہد ہے۔ زاہد اس شخص کو کہتے ہیں، جس میں "زہد" ہو اور "زہد" ایک باطنی اخلاق ہے، جسے ہر مسلمان کو حاصل کرنا ضروری ہے اور "زہد" کے معنی ہیں، "دنیا سے بے رغبتی" اور "دنیا کی محبت سے دل کا خالی ہونا" دل دنیا میں اٹکا ہوا نہ ہو، اس کی محبت اس طرح دل میں پیوست نہ ہو کہ ہر وقت اس کا دھیان اور اس کا خیال اس کی فکر ہے اور اس کے لیے دوڑ دھوپ ہو رہی ہے، اس کا نام "زہد" ہے۔

(اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی، ج:3، ص:100)

نعت رسول ﷺ

دل کے حرا میں اپنے خدا سے
تیرے سوا کچھ بھی تو نہ مانگا

تو مرا اول تو مرا آخر
تو مرا ملجا تو مرا ماویٰ

بعد خدا اک تو ہی سہارا
گھر گیا میں تنہا بے چارا

چار طرف تاریخ کا جنگل
تاک میں اپنے گھات میں اعدا

کتنے صحیفے میں نے کھنگالے
نصف اندھیرے نصف اجالے

تو ہی حقیقت تو ہی صداقت
باقی سب کچھ صرف ہیولیٰ

یوں تو ہزار سیانے آئے
روح کا دشت بسانے آئے

تیری گھٹا صحراؤں پہ امڈی
ابر ان کا دریاؤں پہ برسا

بت خانے حیران کھڑے ہیں
بت تیرے قدموں میں پڑے ہیں

تیرے جمال کی زد میں
آ کر کیسا کیسا پتھر ٹوٹا

تو نے دیا مفہوم نمو کو
تو نے حیات کو معنی بخشے

تیرا وجود اثبات خدا کا
تو جو نہ ہوتا کچھ بھی نہ ہوتا

قائدِ اعظم اور حضرت عمر فاروق کا نظام حکومت

قائدِ اعظم کی دلی خواہش تھی کہ پاکستان میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور کا نظامِ حکومت قائم ہو۔ قائدِ اعظم نے ایسے عناصر کو جو پاکستان کے بدخواہ تھے، مخاطب کر کے کہا کہ پاکستان قائم ہو چکا ہے اور یہ مسلمانوں کی قربانیوں سے بنا ہے، پاکستان کے مقاصد میں کام یاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں مکمل اتحاد و اتفاق ہو۔ ہمارا خدا، رسول، کلمہ اور قرآن ایک ہے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم ایک ہو کر اپنے ملک اور اپنے مذہب کی اشاعت اور ترقی کے لیے انتھک جدوجہد نہ کریں، اگر آپ نے مکمل اتحاد و تعاون اور صحیح اسلامی جوش و خروش سے کام لیا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ کے فضل و کرم سے پاکستان جلد ہی دنیا کے عظیم ترین ممالک میں شمار ہونے لگے گا۔ تعمیرِ پاکستان کے لیے مسلمانوں کے تمام عناصر اور طبقوں میں یک جہتی اور اتحاد ضروری ہے۔ میں نے مسلمانوں اور پاکستان کی جو خدمت کی ہے، وہ اسلام کے ادنیٰ سپاہی اور خدمت گزاری کی حیثیت سے کی ہے، اب پاکستان کو دنیا کی عظیم قوم اور ترقی یافتہ ملک بنانے کے لیے آپ میرے ساتھ مل کر جدِوجُہد کریں۔ میری آرزو ہے کہ پاکستان صحیح معنوں میں ایک ایسی مملکت بن جائے کہ ایک بار پھر دنیا کے سامنے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سنہری دور کی عملی تصویر عملی طور پر کھنچ جائے، خدا میری اس آرزو کو پورا کرے۔

(اسلامی جمہوریہ پاکستان، ڈاکٹر عادل خان، ج:1، ص:498)

شاہِ مدینہ ﷺ، نہ بادشاہ نہ شہنشاہ

تاج و تخت کے بغیر: میرے حضور ﷺ کے آنے سے پہلے یثرب کے لوگ فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ اپنے سردار عبداللہ بن اُبَی کو اپنا بادشاہ بنائیں گے۔ اس کا تاج بن رہا تھا۔ تخت پہ بٹھانے کی تیاریاں تھیں۔ تاج پوشی یعنی تاج پہنانے کے دن آنے والے تھے۔ اب حالات بدل گئے، دن بدل گئے، لوگ بدل گئے، شہر کا نام بدل گیا۔ یہودی اور تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ سارا مدینہ مسلمان ہو گیا، جو مسلمان نہ ہوئے انھوں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ اتفاق کر لیا کہ حکم ران جناب محمد ﷺ ہی ہوں گے۔ میرے حضور ﷺ کیسے حکم ران ہیں کہ جو تاج و تخت تیار ہونے والا تھا نہ اسے آخری مراحل میں داخل کیا گیا۔ نہ کوئی نیا تاج بنانے کا فیصلہ ہوا نہ نیا تخت بنانے کا حکم صادر ہوا۔ آج سے ایک صدی قبل تک کوئی کسی علاقے کا بادشاہ ہو، چھوٹا سا حکمران ہو۔ راجہ ہو یہ تصور تک نہ تھا کہ وہ تاج کے بغیر ہو۔ تخت کے بغیر ہو۔ پھر بھلا چودہ سو سال قبل کیسے تصور ہو سکتا تھا؟ بس تصور اور حقیقت یہی تھی کہ سونے کا تخت ہو، ہیرے جواہرات کا جڑاؤ ہو۔ ایسے ہی تاج بھی ہوا کرتا تھا، مگر میرے حضور ﷺ کیسے حکم ران ہیں کہ سر پہ سفید پگڑی ہے اور جو تخت ہے وہ بس کھجوروں کی چھال کا ایک مصلّٰی ہے، جس پہ آپ ﷺ نماز پڑھاتے ہیں۔ وہیں بیٹھے آپ ﷺ فیصلے فرما دیتے ہیں۔

(روئے میرے حضور ﷺ کے، امیر حمزہ، ص:43)

اسلام ضابطۂ حیات

اسلام محض رسوم، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ نہیں ہے۔ اسلام ہر مسلمان کے لیے ضابطۂ حیات بھی ہے، جس کے مطابق وہ اپنی روز مرہ زندگی، اپنے افعال و اعمال اور حتیٰ کہ سیاست اور معاشیات اور دوسرے شعبوں میں بھی عمل پیرا ہوتا ہے۔ اسلام سب انسانوں کے لیے انصاف، رواداری، شرافت، دیانت اور عزّت کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے۔

(اسلام کیا ہے، پروفیسر محمد منور، ص:288)

شاہِ مدینہ ﷺ، نہ بادشاہ نہ شہنشاہ

حد سے زیادہ تکلّف پر نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ جب کوئی شخص بہت زیادہ شائستگی اور انکساری کا مظاہرہ کرے یا تکلّف کے سبب کوئی چیز خود نہ لے کر دوسرے کو پیش کرے تو یہ مثل کہی جاتی ہے۔ اس مثل کے وجود میں آنے کا ایک دل چسپ چھوٹا سا واقعہ اس طرح مشہور ہے: تکلّف کے قائل دو دوست سفر کرنے کے لیے الگ الگ اپنے گھروں سے نکلے۔ اسٹیشن پلیٹ فارم پر ان کی ملاقات ہوئی۔ ایک دوسرے کو دیکھتے ہی آداب بجالانے کے لیے دونوں ہی تقریباً ایک ساتھ جھکے اور اپنے اپنے ہاتھ پیشانی تک لے گئے۔ خیر و عافیت کے بعد ابھی یہ خلوص و شائستگی کا مظاہرہ کر ہی رہے تھے کہ پلیٹ فارم پر ریل آ پہنچی۔ جن کا سفر ختم ہو گیا تھا، وہ ٹرین سے اتر رہے تھے اور سفر کرنے والے ٹرین پر چڑھ رہے تھے، مگر ان میں ایک دوست نے دوسرے سے کہا: ”قبلہ تشریف لے چلیے۔“ دوسرے نے کہا: ”جی حضرت پہلے آپ۔“ پہلے دوست نے جواب میں کہا: ”حضور کیسی بات کرتے ہیں، پہلے آپ قدم رنجہ فرمائیں۔“ دوسرے دوست نے کہا: ”حضور والا! پہلے آپ، بندہ کم ترین اس لائق کہاں کہ آپ سے آگے قدم بڑھائے۔“ غرض کہ دونوں اسی طرح پہلے آپ پہلے آپ کرتے رہے اور ریل اسٹیشن سے بے تکلّف روانہ ہو گئی۔ وہ دونوں تکلّف کے پلیٹ فارم پر تکلّف کا مظاہرہ کرتے رہ گئے۔

(روئے میرے حضور ﷺ کے، امیر حمزہ، ص:43)

اشعار

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں
(جگر مراد آبادی)

اک زندگی عمل کے لیے بھی نصیب ہو
یہ زندگی تو نیک ارادوں میں کٹ گئی
(جلیل مانک پوری)

خوش قسمتی سے آگے جھکایا نہ سر کبھی
اُس خانماں خراب کو کتنا غرور تھا
(محمد علی جوہر)

بھانپ ہی لیں گے اشارہ سر محفل جو کیا
تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں
(لالہ مادھورام)

شب وہی شب ہے دن وہی دن ہے
جو تیری یاد میں گزر جائیں
(حسرت موہانی)

ہر قدم پر نت نئے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں لوگ
دیکھتے ہی دیکھتے کتنے بدل جاتے ہیں لوگ
(حمایت علی)

تم سے الفت کے تقاضے نہ نباہے جاتے
ورنہ ہم کو بھی تمنا تھی کہ ہم بھی چاہے جاتے
(شان الحق حقی)

ہم نے دھڑکتے جذبوں کے ہر سوز و ساز پر
دنیا کو آگ راگ سنائے کبھی کبھی
(حیدر مہدی)

خبر سن کر میرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں
(داغ دہلوی)

کیا ملا عرض مدعا کر کے
بات بھی کھوئی التجا کر کے
(رند لکھنوی)

آئی ٹی میں ہنر مندی اور ترقی کا سفر

بیت السلام ٹیک پارک کے ساتھ

رپورٹ: محمد افہام

"آج کا نوجوان ملک وملت کا سرمایہ" کے سلوگن کے ساتھ بیت السلام ٹیک پارک نے اپنا سفر 2023ء میں شروع کیا تھا۔اور نوجوانوں کو وقت کی ضرورت آئی ٹی میں مہارت کے تقاضے کے ساتھ ہنر مند بنانے کے لیے فری کورسز کا اعلان کیا، ہزاروں امیدواران نے رجسٹریشن میں حصہ لیا، طے شدہ قواعد ضوابط کی روشنی میں منتخب تقریباً ڈھائی ہزار طلبہ نے انٹری ٹیسٹ میں حصہ لیا، کامیاب طلبہ میں سے زیادہ باصلاحیت، ضرورت منداور کار آمد طلبہ انٹرویو کے لیے منتخب کیے گئے اور ان میں سے 150 طلبہ کا پہلے بیج کے لیے انتخاب عمل میں آیا۔الحمدللہ پہلا بیج تقریباً اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہاہے۔پہلے بیج کے طلبہ اب عملی کام میں حصہ لے سکیں گے۔ان شاءاللہ!!!

دوسرے بیج کے لیے جولائی اور اگست میں آن لائن رجسٹریشن کی گئی، ایک بار پھر ہزاروں امیدواروں نے رجسٹریشن میں حصہ لیا۔کوائف پر پورا اترنے والے تقریباً تین ہزار طلبہ کو انٹری ٹیسٹ کے لیے اتوار 8 ستمبر کو انٹیلکٹ اسکول (کورنگی کراچی) میں موقع دیا گیا۔ٹیسٹ پاس کرنے والے طلبہ میں سے زیادہ باصلاحیت منتخب طلبہ کو انٹرویو کے ذریعے کورسز میں داخلے کے لیے منتخب کیا جائے گا۔اکتوبر کے پہلے ہفتے میں دوسرے بیج کی کلاسیں شروع ہوسکیں گی ان شاءاللہ!!

بیت السلام ٹیک پارک

BAITUSSALAM
—TECH PARK—

Free of Cost

PSDC Professional Software Development Certification

JS

TS

React

node JS

Follow us
BaitussalamWelfareTrust

UAN
+92 21 111 298 111

Visit
Baitussalam.org

J.
FRAGRANCES
zarar
FOR MEN
BLEU
zarar
FOR MEN
BLEU
J.
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J. Fragrances & Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed